ارتقاءِ نسلِ انسانی

بجواب

ہبوطِ نسلِ انسانی

مصنفہ

مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی

جس کو

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے شائع کیا

مطبوعہ کوآپریٹیو سٹیم پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگ لاہور باہتمام ملک فیروزالدین صاحب منیجر

www.abdulhaq.info/books

فہرست مضامین

نمبر صفحہ	مضامین
۲	فہرست مضامین
۳	تمہید
۵	موروثی یا فطری گناہ
۹	عیسائیت کا عقیدہ اور اسلام
۱۱	تذکرہ آدم اور قرآن کریم
۱۶	آدم نے ہرگز گناہ نہیں کیا
۲۱	آدم کے نسیان پر تعجب مت کرو
۲۳	عصمت انبیا از روئے قرآن کریم اور بائیبل
۳۰	کیا آدم کو فی الحقیقت گناہ کی سزا ملی ؟
۳۴	پادری پال کی غلط فہمیاں
۵۳	بائیبل کی آدم کہانی علم و عقل کی روشنی میں
۶۲	عصمت فطرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمہید

پادری سلطان محمد صاحب پال جنہیں اپنے آپ کو ایک معزز خاندان افغانستان سے قریب کی نسبت ظاہر کرنے کے فخر کے علاوہ فاضل عربی کہلانے کا ادعا بھی ہے۔ ان کے کسی قدر پرائیویٹ حالات اور تبدیل مذہب کے حقیقی راز سے ہمیں اطلاع ہے تاہم مذہبی تحقیقات میں چونکہ ان دعاوی کا وزن صفر ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اس ناگوار بحث میں پڑنا تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔ پادری صاحب نے بڑے دعویٰ اور تحدی کے ساتھ اسلام کے متعلق اپنی تحقیقات کو چند ایک مختصر سے رسائل میں پیش کیا ہے۔ بہر دست ان میں سے دو ہمارے زیر نظر ہیں۔ انہیں سے ایک "ہبوط نسل انسانی" اور دوسرا "میں کیوں مسیحی ہوا" ہیں۔ پہلے رسالے کی بنیاد انہوں نے اپنے ایک مکالمہ پر رکھی ہے جو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری کے ساتھ ہوا۔ پادری صاحب کو اپنے اس مضمون پر بڑا ناز ہے۔ اور وہ اس خیالی تصور سے پھولے نہیں سماتے کہ انہوں نے اپنی اس بحث سے احمدیہ کیمپ میں کھلبلی ڈال دی اور کوئی احمدی اس کا جواب نہیں لکھ سکتا۔

مارچ ۱۹۲۶ء میں مجھے بدوملہی ضلع سیالکوٹ میں پادری صاحب سے

اس موضوع پر بحث کرنے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے بڑے فخر سے اس بات کو پیش کیا کہ میں نے اس موضوع پر رسالہ لکھا ہوا ہے کسی احمدی نے آجتک اس کا جواب نہیں لکھا۔ میں نے اسی وقت عین مناظرہ میں مطالبہ کیا۔ کہ اس رسالہ کا جواب دینے کے لئے میں ہر وقت تیار ہوں۔ آپ نے سب سے بڑی دلیل جو اس رسالہ میں لکھی ہو پیش کیجئے۔ میں اس کا جواب اسی پلیٹ فارم پر دوں گا۔ افسوس ہے کہ پادری صاحب اس چند منٹ کے فیصلہ کی طرف نہ آئے۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک میں فورٹ منرو اور سندھ کی طرف تبلیغی دَورہ پر رہا۔ واپس لاہور پہنچکر میں نے یہ رسالہ ریلیجس بک سوسائٹی سے منگوایا اور ستمبر و اکتوبر ۱۹۲۶ء کے پیغام صلح میں اس کا جواب شائع کر دیا۔ پادری صاحب نے ہر اخبار کے دو دو پرچے منگوائے مگر جواب آج اگست ۱۹۲۸ء تک نہ لکھ سکے۔ بلکہ اخبار نور افشاں مؤرخہ ۸ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ ہبوط نسل انسانی میں مخاطب صرف خواجہ کمال الدین صاحب اور حضرت مولانا محمد علی صاحب ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب کو جواب نہ دیا جائے گا۔ حالانکہ بدوملہی کے مناظرہ میں مجھے وہ جواب کے لئے چیلنج دے چکے تھے۔ اب بعض احباب کے اصرار پر اس مضمون کو ٹریکٹ کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے۔

موروثی یا فطری گناہ

رسالہ ہبوط نسل انسانی میں حضرت آدم علیہ السلام کو گنہگار ثابت کرنے اور اس گناہ کو بطور ورثہ کل نسل انسانی میں منتقل ہونے کے متعلق یہ تین سوالات ہیں :-

(۱) کیا آدم نے گناہ کیا ؟

(۲) کیا آدم کو گناہ کی سزا ملی ؟

(۳) کیا آدم کے گناہ کی سزا میں تمام نسل انسانی شامل ہے ؟

اور یہ تین ہی سوالات سارے مکالمہ کی جان ہیں لیکن یہ تینوں سوال کسی ایسے بھدّی دماغ کا نتیجہ ہیں کہ جس کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ آدم اور بنی آدم دو علیحدہ علیحدہ انواع نہیں۔ آدم نوع انسانی میں شامل ہے۔ ان دونو کے لئے دو قانون نہیں بلکہ ایک ہی قانون ہے جو دونو پر حاوی ہے۔ اگر انسان موروثی طور پر گنہگار ہے جیسا کہ پادری صاحب اس کو مسیحی علم الٰہیات کا اصل الاصول بتلاتے ہیں تو آدم بھی موروثی طور پر گنہگار ہونا چاہیئے ؟ اور اگر آدم اپنی فطرت کے لحاظ سے گنہگار تھا تو لامحالہ نسل انسانی بھی فطرتاً گنہگار ہو گی۔

اب اگر گناہ موروثی ہے تو پادری صاحب بتلائیں کہ آدم نے گناہ کا ورثہ کہاں سے پایا۔ اس صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ گناہ کی

وراثت خدا کے ہاں سے آئے۔ کیونکہ آدم خدا کا بیٹا تھا لوقا باب ۳ آیت ۳۸
اور خدا کی صورت پر تھا۔ پیدائش باب ۱۔ آیت ۲۶ و ۲۷۔ جیسا باپ ویسا بیٹا
پس اس صورت میں (۱) کیا آدم نے گناہ کیا ؟ کیا آدم کو گناہ کی سزا ملی ؟
کیا آدم کے گناہ کی سزا میں تمام انسانی نسل شامل ہے ؟ کی بجائے سوالات
کی نوعیت یہ ہونی چاہیئے :۔

(۱) کیا خدا گنہگار ہے ؟

(۲) کیا اس کو گناہ کی سزا میں اپنا بیٹا صلیب دلوا کر دوزخ میں بھیجنا پڑا ؟

(۳) کیا اس گناہ کا ورثہ پانے میں نسل انسانی سزا کی مستحق ہے ؟

اور اگر آدم نے گناہ کا یہ ورثہ کہیں سے نہیں پایا بلکہ وہ خود فطرتاً گنہگار تھا۔ تو نسل انسانی بھی فطرتاً گنہگار ہوگی پس آدم نے جس بنا پر گناہ کیا اسی بنا پر نسل انسانی آجتک گناہ کرتی آئی ہے اور کرتی جائے گی اور جس بنا پر نسل انسانی آج گناہ کرتی ہے اسی پر آدم نے گناہ کیا۔ ان دونو کلیوں میں سرمو فرق نہیں مگر موروثی گناہ کی اصطلاح فطری گناہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ کہ جس کی لپیٹ سے خدا بھی باہر نہیں۔ اور ویسے بھی یہ اصطلاح ایک نامعقول سی اصطلاح ہے۔ گناہ انسان سے باہر خارج میں کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں کہ جسے انسان کا ہر پیدا ہونے والا بچہ پیدا ہوتے ہی ورثہ میں پالیتا ہے۔ بلکہ گناہ ایک اختیاری فعل ہے جس کو کسی ذی اختیار شخصیت کی طرف اس وقت منسوب کیا جاتا ہے کہ جب وہ اس کا اکتساب کرے پس گناہ کو ورثہ کہنا ہی ایک بے معنی اصطلاح ہے ؂

فطرتِ انسانی کو بد بنانے کی وجہ سے خواہ یہ براہ راست خدا کا فعل
ہو یا بوساطتِ آدم خداوند یہوواہ نے جو ظلم و ستم دنیا پر کیا ہے وہ ایک ایسا
ہلاکت آفرین گناہ ہے کہ نسلِ انسانی کے تمام گناہ اس کے سامنے ہیچ ہیں
کیونکہ ان تمام گناہوں کی اصل خداوند کا وہی فعل ہے اور خداوند یہوواہ کو اس کا
نہ صرف اقرار بلکہ افسوس بھی ہے چنانچہ لکھا ہے "خداوند نے دیکھا کہ زمین
پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل کے تصور اور خیال روز
بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے
بہت پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں
نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا دوں گا۔ انسان کو اور حیوان کو بھی۔ اور
کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے
سے پچھتاتا ہوں" پیدائش باب ۶۔ آیت ۷-۵
یہ ہوتا ہے بے سوچے سمجھے کام کر لینے کا نتیجہ۔ جب انسان کی فطرت
کو بد بنایا تو سوائے بدی کے اس سے نیکی کی امید رکھنا فضول تھا۔ ؎

بعد پچھتائے ہوت کیا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

خداوند نے اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت تو کیا مگر اس پر غضب یہ ہوا
کہ اب اس غلطی پر ایک اور مہلک غلطی کرنے کی ٹھان لی۔ کہ میں انسان اور
کیڑوں مکوڑوں بلکہ آسمان کے پرندوں تک کو مٹا ڈالوں گا۔ چنانچہ غصہ میں آکر
نہ رہ سکا اور مٹا ہی ڈالا سب کو مٹا ڈالتا تو بھی کوئی بات تھی کہ پہلا تجربہ تھا۔
ڈھانچہ ٹیڑھا بن گیا۔ اب سیدھا کر کے بنا لو۔ مگر "نوح پر خداوند نے مہربانی سے

نظر کی" پیدائش باب ۶ آیت ۸۔ یہ مہربانی کی نظر بھی غضب کا کام کر گئی۔ گناہ کا ورثہ محفوظ رہ گیا۔ کیونکہ آخر نوحؑ بھی تو آدمؑ کا چراغِ دودمان تھا۔ وہاں سے پھر بدی کے فوارے پھوٹ نکلے۔

خداوند یہوواہ نے آخر جب کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ تو دبی شرائط پر نسل انسانی سے صلح کر لی اور آئندہ ایسے ہلاکت آفرین فعل سے توبہ کی۔

"اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے لئے میں زمین کو پھر کبھی لعنت نہ بھیجوں گا اس لئے کہ انسان کے دل کا خیال بچپن سے برا ہے اور جیسا کہ میں نے کیا ہے پھر سارے جانداروں کو نہ ماروں گا"

پیدائش باب ۸ آیت ۲۱

چنانچہ یہ قوس و قزح جو بادلوں میں نظر آیا کرتی ہے اسی عہد کا نشان ہے جو خداوند نے انسان کے ساتھ باندھا تھا۔ پیدائش باب ۹ آیت ۱۷-۹

مگر اس عہد کا بھی عملی رنگ میں کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بدی کا سیلاب کہ جس کا بند خداوند نے اپنے ہاتھ سے کھولا تھا نہ رکنا تھا اور نہ رکا۔ زمین پر لعنت اس کے بعد بھی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اسرائیلی گھرانے کے ایک عظیم الشان نبی کو خدا سے یہ صاف صاف کہنا پڑا۔

"اے خداوند کیوں تو نے ہمیں اپنی راہوں سے گمراہ کیا۔ کیوں تو نے ہمارے دل کو سخت بنایا" یسعیاہ باب ۶۳ آیت ۱۷

عیسائیت کا عقیدہ اور اسلام

پادری صاحب کو اس امر کے قبول کرنے میں ضد ہے کہ عیسائیت انسان کو فطرتاً گنہگار قرار دیتی ہے۔ حالانکہ ان کے عقائد کی تمام کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ انسان فطرتاً گنہگار ہے۔ اور ہم تو اس کے اندر بھی اسلام کی ایک عظیم الشان فتح کے آثار دیکھتے ہیں کہ یسوعی دوستوں کا رجحانِ طبع اسلامی عقیدہ کے بالکل قریب آ رہا ہے۔ "انسان فطرتاً گنہگار ہے" اس کو نہ صرف عیسائیت کا اصول بلکہ اصل الاصول اور نقطہ مرکزی سمجھنا چاہیئے۔ جس پر کفارہ اور نجات جیسے اہم مسائل کا مدار ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی کوششوں کو کامیاب کرے۔ جو عیسائیت میں رہ کر اسلامی عقائد کا بیج بوتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اسلام سے بدظن ہو کر عیسائیت میں نہیں گئے۔ بلکہ مسلمانوں کی بدنظمی کی وجہ سے ایک مدت دراز تک دکھ اور مصائب اٹھاتے رہے اور بالآخر مجبور ہو کر یسوعیت کی پناہ میں گئے۔ مگر یہ کس قدر جرأت اور دلیری کی بات ہے کہ وہ مشن کمپاؤنڈ میں رہتے ہوئے اس کی جڑ پر کلہاڑا رکھے ہوئے ہیں۔ عیسائیت کا عقیدہ یہی ہے کہ انسان فطرتاً گنہگار ہے۔ اس لئے آدم سے گناہ سرزد ہوا۔ اور اس کی اولاد گناہ کی مرتکب ہوتی ہے۔ موت اور خدا کا غضب اس گناہ کی مزدوری ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

"and (we) were by nature the

children of wrath, as others."

(۱) "ہم بھی فطرتاً دوسرے لوگوں کی طرح غضب کے فرزند (گنہگار) تھے۔" نامۂ افسیوں باب ۲ آیت ۳

(۲) "خدا نے سب کو بے ایمانی کی قید میں چھوڑا تاکہ سب پر رحم فرمائے۔" رومیوں ۱۱/۳۲

(۳) یہی عقیدہ عیسائیوں کے عقائد کی کتابوں دعار ضمیم وغیرہ میں موجود ہے بلکہ ان کے ہاں گناہ کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے۔

"It is taken for original corruption or the depravity or naughtiness of our corrupt nature which is prone to all evils".

(ترجمہ) گناہ فطری خرابی کے لئے استعمال ہوتا ہے یا بداخلاقی اور خرابیٔ فطرت کی بنا پر شرارت کے لئے کہ جو بدی کی طرف جھکانیوالی ہے۔

اس کے خلاف اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے پاک ہے۔ گناہ انسان کا اپنا اکتساب ہے جس کے لئے وہ جواب دہ ہے۔

ہمارے دوست مسٹر پال عیسائیوں کے اصل الاصول کی تردید اور اسلامی عقیدہ کی تائید کرتے ہیں۔ مگر کس ہوشیاری کے ساتھ کہ روئے سخن تو ہماری طرف ہے اور تلوار کا ہاتھ یسوعیت کے گلے پر۔ البتہ آپ نے عام عیسائیوں کی آنکھ میں خاک جھونکنے کے لئے دو حوالے بائبل کے نقل کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے

کہ بائبل کی رو سے انسان فطرتاً پاک ہے۔ دونو حوالے درج ذیل ہیں:-

(۱) خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا (پیدائش ۱/۲۶)

(۲) خدا نے انسان کو راست بنایا پر انہوں نے بہت سی بندشیں تجویز کر کے باندھیں۔ (واعظ ۷/۲۹)

اگر یہ دونوں حوالے درست ہیں اور ظلی طور پر جیسا کہ پال صاحب کا خیال ہے خدا کی تمام صفات انسان کو ملی ہیں تو قدوسیت بھی ضرور ملی ہو گی۔ مگر یہ مسیحی عقائد کی بنا پر ہرگز نہیں ملی جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔

تذکرہ آدم اور قرآن کریم

پادری صاحب لکھتے ہیں اور بزعم خود بعض آیات قرآن کریم کی بنا پر لکھتے ہیں کہ آدم نے گناہ کیا۔ ان کے خیالات کا استقصاء ذیل میں درج ہے:-

(۱) آدم کو خدا نے بہشت میں رکھ کر یہ کہا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

(۲) آدم کو پیشتر سے یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ یہ شیطان تیرا دشمن ہے فقلنا یادم ان هذا عدو لك ولزوجك فلا يخرجنكما من الجنة فتشقى۔

(۳) شیطان نے اس کو آکر ورغلایا اور اسی درخت کا پھل کھلوا دیا فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا۔

(۴) شیطان نے ورغلاتے وقت اسی درخت کا ذکر بھی کیا فوسوس الیه الشیطٰن قال یادم هل ادلك على شجرة الخلد وملك لا یبلى۔

(۵) پس آدم ہرگز نہ بھولا بلکہ وہ خود ہی مستقل الارادہ نہ رہا۔ اور خدا کی نافرمانی کرکے گمراہ ہوگیا۔

(۶) اگر آدم نے گناہ نہیں کیا تو آدم بہشت بدر کیوں کیا گیا۔

(۷) نسل انسانی اگر موروثی طور پر گنہگار نہیں ہوئی تو آدم کے ساتھ بہشت سے نکلنے میں کیوں ساتھ رہی قلنا اھبطوا منھا جمیعًا۔

اس سے پیشتر کہ ہم ان اعتراضات کا فرداً فرداً جواب دیں۔ تذکرہ آدم کو مجموعی نظر سے دیکھ لینا ضروری ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ قرآن کریم بائبل کی طرح کوئی قصوں اور کہانیوں کی کتاب نہیں بلکہ وہ سرتاپا بصیرت و ہدایت اور حق و حکمت اور نور مبین ہے۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو کیف تکفرون باللہ ...الخ سے شروع کیا ہے۔ فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی ہستی کا کیسے انکار کرسکتے ہو۔ اسی نے تم کو وجود ہستی عطا کیا۔ حیات دی۔ پھر زمین و آسمان کی تمام چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں۔ لیکن ان تمام اشیاء کے خواص و حقائق کے علم کے بغیر ان سے نفع حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ اس لئے انسان کو تیسری نعمت علم عطا کی جاتی ہے علم سے وہ تمام قوائے عالم کی ارواح کو فرمانبردار بنا کر ان پر حکومت کرنے لگا۔ اب انسان کے لئے یہ ہرگز شایان شان نہیں کہ وہ علم و قدرت اور کائنات پر حکمرانی حاصل کرنے کے بعد خدا سے قطع تعلق کرلے۔

اس کو احکام الٰہی کی فرمانبرداری بھی کرنی چاہئے۔ ایک متکبر اور مردود ہستی کی طرح نہیں ہوجانا چاہئے اور وہ احکام ربانی انسان کو دو طرح پر عطا کئے جاتے ہیں۔ ایک اس کی فطرتِ سلیمہ کانشنس اور ضمیر کی آواز ہے اور

دوسری وحی الٰہی کی بصیرت اور ہدایت۔ انسان کی فطرت سلیمہ کے اندر یہ امر ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ بدی کے درخت کے قریب نہ جائے۔ مگر خواہشات بہیمہ اور ماحول کے تاثرات دھوکا دیکر ضمیر کی اس اندرونی بصیرت کو مکدر کر دیتے ہیں۔ اگر انسان ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ ضمیر کی اس آواز پر کہ جو فی الحقیقت فاطر فطرت کی مشیت اور ارادہ کا الارم ہے چلتا رہے تو وہ اس جنت سے بھی کہ جس میں اس کے لئے آرام و راحت حقیقی اور اطمینان قلبی کے سامان مہیا ہیں نہیں نکلے گا۔ اور آئندہ مزید ترقیات یا حصول ارتقا کے لئے ہدایت و وحی الٰہی کی پیروی سے ہمیشگی کی جنت کو بھی حاصل کرے گا۔ لیکن اگر خواہشات بہیمہ اور ماحول کے تاثرات سے متاثر ہو کر وہ فطرۃ کی آواز کو نہ سن سکے تو یہ بھی ایک گونہ خدا کی نافرمانی ہے گو شریعت کی اصطلاح میں وہ گناہ نہیں جس کا نتیجہ اس دنیا میں قلبی بے اطمینانی اور دکھ ضرور ہے۔ تاہم اگر وہ توبہ کرے تو اس کی وہ لغزش معاف ہو جاتی ہے۔ اور وہ وحی الٰہی کی پابندی یا ارتقاء نسل انسانی کی سیڑھی پر چڑھ کر ہمیشگی کے جنت کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور جو شخص نہ فطرت کی آواز کی پرواہ کرتا ہے اور نہ وحی الٰہی کے اشارے پر چلتا ہے وہ جہنم کا وارث ہو جاتا ہے۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کی مثال ایک آدم اور اس کی بیوی ہے اور دوسرا شیطان ہے۔

یہ ہے وہ تذکرہ کہ جس کے اندر ارتقاء نسل انسانی کی مختلف منازل کا ذکر کیا گیا ہے کہ علم و عقل کی روشنی میں جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے اندر قرآن کریم پر غور نہ کرنے والوں کو ایک بات نئی معلوم ہو گی کہ انسان کو

پہلا حکم (کہ وہ بدی کے درخت کے قریب نہ جائے) اس کی فطرت اور ضمیر کی معرفت دیا جانا بتلایا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی ان آیات پر کہ جن میں یہ تذکرہ موجود ہے۔ غور کرو کہ آدم کے نسیانِ عہد پھر توبہ کرنے اور توبہ کے قبول ہو جانے کے بعد فرمایا جاتا ہے قلنا اہبطو منہا جمیعًا فاما یاتینکم منّی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوفٌ علیہم ولا ھم یحزنون۔

دوسری جگہ فرمایا ثم اجتبٰہ ربہٗ فتاب علیہ وھدی۔

تیسری جگہ اس کو اس طرح بیان فرمایا یابنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی فمن اتقٰی واصلح فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون۔

تمام صحف سماوی اس امر پر متفق ہیں کہ قبولیت توبہ کے بعد پھر سزا نہیں دی جاتی۔ جب آدم نے توبہ کی اور اس کو قبولیت توبہ کی خوشخبری بھی مل گئی تو اس کے بعد ہبوط سزا نہیں ہوسکتا۔ عربی زبان میں توبہ کے معنی اپنی جگہ پر لوٹ آنے کے ہیں۔ اناجیل میں توبہ کے لئے یونانی لفظ ue Ta' voa ہے۔ جو ارامی اور عربی لفظ کا مترادف ہے جب آدم اپنی پہلی جگہ پر یعنی فطرۃ اور ضمیر کی آواز پر لوٹ آیا تو اللہ تعالیٰ بھی فتاب علیہ اس پر اسی طرح رجوع برحمت ہوگیا۔ قرآن کریم کے ان الفاظ میں ایک عجیب نکتہ ہے کہ جب انسان کے لئے توبہ کا استعمال ہو تو تاب الی ربہٖ آتا ہے اور جب خدا کے متعلق ذکر ہو تو فتاب علیہ آتا ہے یعنی جو شخص لغزش کرتا اور پھسلتا ہے وہ گویا خدا سے منہ پھیر لیتا ہے پس جب کہ وہ توبہ کرتا ہے تو گویا اللہ

تعالیٰ کی طرف واپس آتا ہے۔ لیکن رب تو کسی سے منہ نہیں موڑتا۔ اس لئے اس کے لئے "تاب علی عبدہٖ" آتا ہے گویا وہ اپنے فضل اور رحمت کو اپنے بندے پر اسی طرح لوٹا دیتا ہے جس طرح پہلے کرتا تھا جس طرح کوئی نوکر اپنے آقا سے بھاگ جائے اور پھر خود ہی واپس آجائے تو نیک مالک اس پر اسی طرح احسان شروع کر دیتا ہے۔ بلکہ انجیلی تمثیل کی رو سے پہلے سے بڑھ کر اس پر خوش ہوتا اور رحمت کرتا ہے۔ (دیکھو نافرمان لڑکے، گم شدہ بھیڑ اور کھوئے ہوئے درم کی مثال مندرجہ لوقا باب ۱۵۔

پس اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم پر وہ پہلے سے بڑھ کر رجوع برحمت ہوا اور بجائے سزا کے نعمت الٰہیہ کے بلند سے بلند درجہ نبوت ورسالت سے اس کو سرفراز فرمایا۔ پس درجہ ہبوط کسی نقل مکانی کا نام نہیں بلکہ شیطان کے ساتھ جنگ کا وہ زمانہ ہے کہ جہاں پہنچکر انسان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ محض اپنی فطرت کی سلامتی اور علم وعقل کی فراوانی کے بعد بھی نجات کے لئے وحی الٰہی کا محتاج ہے اور اسی کا اظہار حضرت آدم کی دعا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین میں ہے یعنی اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرتا اور ہم پر رجوع برحمت نہ ہوتا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔ اس آیت میں ایک تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے کا ذکر ہے یعنی ایسا ظلم کہ جس کا اثر ان کی اپنی ذات تک محدود ہے۔ کسی دوسرے پر انہوں نے ظلم نہیں کیا۔ اور دوسرے گناہ سے حفاظت کا ذکر ہے۔ اور تیسرے درجہ پر اللہ تعالیٰ کے دوبارہ رجوع

برحمت ہونے (یا الہام اور ہدایت الٰہی ملنے) کا کہ جس کے ذریعہ سے وہ خسارہ سے بچ گئے (۱) اور اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ہرگز خسارہ میں نہیں آئے کسی قسم کا بھی نقص ان کے اندر نہیں رہا کہ جس سے وہ خود سزاوار سزا ہوتے یا اپنے گناہ اور نقص کا ورثہ اپنی اولاد کو پہنچاتے، اور اسی کا ذکر خلق الانسان ضعیفا میں ہے کہ جو پادری صاحب کی ٹھوکر کا باعث ہوئی ہے۔ آیت کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انسان اپنی بناوٹ کے لحاظ سے الہام الٰہی کی طاقت کا محتاج ہے۔

آدم نے ہرگز گناہ نہیں کیا

اب رہا یہ امر کہ آدم کے شجر ممنوعہ کھانے کا کیا جواب ہے۔ جب کہ

الف۔ خدا نے اس کو وہ درخت تبلا دیا تھا۔

ب۔ اس کو یہ بھی اطلاع دیدی گئی تھی کہ شیطان تمہارا دشمن ہے پھر اس کے دام میں کیونکر آ گیا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ بہکاتے وقت شیطان نے اسی درخت کا ذکر بھی کیا۔

ج۔ آدم کو جنت بدر ہونے کی سزا بھی ملی۔ اگر اس کا گناہ قصداً نہیں تھا۔ بلکہ صرف بھول تھی تو سزا کیوں ملی۔ ہمارے پرانے مفسرین نے اس کے کئی ایک جواب دیئے ہیں۔

۱۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس درخت سے آدم کو منع کیا تھا۔ اس درخت سے آدم نے کچھ نہیں کھایا بلکہ شیطان کے ورغلانے سے اسی جنس

کے کسی دوسرے درخت کا پھل کھالیا۔ اور یہ شیطان کا دھوکا اور آدم کی اجتہادی غلطی تھی کہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ مجھے صرف اسی ایک درخت سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ آدم کو اس درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا۔ پھل کھانے سے نہیں۔ مگر اس کا پھل شیطان نے لاکر دیدیا اور غلطی سے آدم نے کھالیا۔

۳۔ آدم کی یہ غلطی قبل از نبوت تھی (دیکھو تفاسیر امام رازی اور شیعہ مفسرین وغیرہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو زلت اور لغزش قبل از نبوت ہو۔ وہ شریعت کی اصطلاح میں گناہ نہیں کہلاتی کیونکہ مسیحی آلہیات میں بھی گناہ کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ Any thought, word, action, omision or desire contrary to the law of God. 2. Sin is any want of confirmity to or transgression of law.

یعنی گناہ وہ خیال۔ کلام۔ فعل۔ فروگذاشت اور خواہش ہے۔ جو خدا کی شریعت کے خلاف ہو۔ مسیح خود فرماتے ہیں

(۱) "اگر میں نہ آیا ہوتا اور انہیں نہ کہتا تو ان کا گناہ نہ ہوتا۔ لیکن اب انکے پاس انکے گناہ کا عذر نہیں...... اگر میں ان کے بیچ میں یہ کام جو کسی دوسرے نے نہیں کئے نہ کئے ہوتے تو ان کا گناہ نہ ہوتا۔"

یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۴-۲۲

۲۔ ہر ایک جو گناہ کرتا ہے سو خلاف شرع کرتا ہے۔ کیونکہ گناہ خلاف شرع ہے۔ نامۂ یوحنا ۳/۱

۳۔ شریعت کے وسیلے سے ہی گناہ کی پہچان ہے۔ رومیون ۳/۲۰

۴۔ بغیر شریعت کے میں گناہ کو نہیں پہچانتا۔ رومیون ۷/۷

۵۔ شریعت کے ظاہر ہونے تک گناہ دنیا میں تھا۔ پھر جہاں شریعت نہیں گناہ نہیں گنا جاتا۔ رومیون ۵/۱۳

۶۔ شریعت کے بغیر گناہ مردہ ہے رومیون ۷/۸

۷۔ جہاں شریعت نہیں وہاں نافرمانی بھی نہیں۔ رومیون ۴/۱۵

۸۔ موت کا ڈنک گناہ اور گناہ کا زور شریعت ہے اقرنتیون ۱۵/۵۶

۹۔ اگر تم اندھے ہوتے تو تمہارا گناہ نہ ہوتا۔ یوحنا ۹/۴۱

عیسائی دوستوں کے عقیدہ میں آدم سے لیکر موسیٰ علیہ السلام تک شریعت نہ تھی جیسا کہ لکھا ہے کہ:۔

۱۔ شریعت کے ظاہر ہونے تک گناہ دنیا میں تھا۔ پر جہاں شریعت نہیں گناہ گنا نہیں جاتا۔ تو بھی موت نے آدم سے موسیٰؑ تک ان پر بھی جنہوں نے آدم کا سا گناہ نہ کیا جو آنے والے کا نشان تھا۔ بادشاہت کی۔

نامہ رومیون ۵/۱۴

۲۔ وہ وعدہ جو ابراہیم اور اس کی نسل کے ساتھ تھا کہ تو دنیا کا وارث ہوگا۔ سو شریعت کے وسیلے سے نہیں بلکہ ایمان کی راست بازی (قلب سلیم) کے وسیلے سے تھا..... تاکہ وہ عہد تمام نسل کے لئے قائم رہے نہ صرف

اس نسل کے لئے جو شریعت والی ہے۔ بلکہ اس کے لئے بھی جو ابراہام کا سا ایمان قلب سلیم رکھتی ہے۔ رومیوں ۴/۱۶-۱۳

پس اس لحاظ سے آدم کو شریعت کی بنا پر گنہگار کہنا قطعاً غلط ہے جبکہ شریعت موسیٰ علیہ السلام سے پیشتر تھی ہی نہیں۔ البتہ پولوس نے اپنے ایک خط میں موت سے گناہ پر استدلال ضرور کیا ہے کہ چونکہ لوگ حضرت موسےٰ سے پیشتر بھی مرتے رہے اور موت گناہ کی مزدوری ہے۔ پس گناہ بھی ضرور ہوگا۔ اس پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے۔ فی الحال ہم پادری صاحب کی پیش کردہ آیات قرآن کریم متعلقہ لغزش آدم پر غور کرتے ہیں۔ آپ کو سارے قرآن کریم کی نسبت وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ پر بہت زیادہ ایمان ہے اور اسی آیت کے مجرد الفاظ پر باقی آیات بینات کو قربان کرنا چاہتے ہیں اور ان کو توڑ مروڑ کر اسی آیت کے متشابہ الفاظ کے ماتحت لانا چاہتے ہیں۔ مگر کتب الٰہیہ کی تفسیر کا یہ کوئی قاعدہ نہیں اگر آپ کو تحقیق حق مطلوب ہوتی تو پہلے انبیاء کے متعلق اصول اور محکم آیات کو تلاش کرتے (اس کے متعلق دیکھو صفحہ ۲۳) پھر اس کے ماتحت ان آیات کا حل سوچتے قرآن کریم خود ہی اپنی آیات کی تفسیر بھی کرتا ہے۔ اپنی اسی پیش کردہ آیت پر غور کیجیئے۔ ایک جگہ آدمؑ کے متعلق قرآن کریم نے عصیٰ کا فعل استعمال کیا۔ دوسری جگہ نسی کا تیسری مرتبہ لم نجد لہٗ عزما کی اس پر تاکید فرمائی اور چوتھی جگہ زلّ سے اس کو تعبیر کیا۔ اب اس شکل کو آپ یوں سمجھئے فازلھما الشیطٰن عنھا۔ فنسی ولم نجد لہ عزما مترادف ہے وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ کے زلّت۔ زلّ یا ازلّ سے ہے

جس کے معنے ہیں استرسال الرجل من غیر قصدٍ (راغب) یعنی بلا ارادہ پاؤں کا ڈگمگا جانا اس لئے زلّۃ اس قصور کو کہا جاتا ہے جو بلا ارادہ سرزد ہو (راغب) ٹھیک یہی معنی فنسی کے ہیں۔ اور لم نجد لہ عزما اس پر بطور تاکید معنوی وارد ہوا ہے۔ اب رہا لفظ عصٰی یہ لفظ بلا قصد اور بلا عزم خطا پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ رہی آپکی لفظ زل اور ازل کے معنوں پر لغت دانی اور صرف ونحو کے بحر زخار میں غوطہ زنی کی ڈینگ کہ جس کی بنا پر آپنے حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ پر مغالطہ دینے یا خود غلطی خوردہ ہونے کا الزام دیا ہے۔ آپ اپنے آپ کو فاضل عربی منطق۔ فلسفہ وسائنس کے ماہر اور علم حدیث فقہ وتفسیر کے زبردست عالم لکھئے۔ اوروں سے لکھوائیے۔ لوگوں نے آپ کی عربی دانی اسی روز دیکھ لی تھی کہ جب آپ فورمن کرسچن کالج کے ہال میں ایک معمولی لفظ (معارضہ) پر بازی ہار بیٹھے۔ ہاں! وہ بھی کیسا نازک وقت تھا۔ کہ آپ کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ اور سر کا مغلچہ پن پاؤں کے نیچے تک بہ رہا تھا۔ اب آپ اپنی عربی دانی کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ ذلّت اور چیز ہے اور ازل اور چیز۔ ذلّت کے معنی پھسل جانا اور ازل کے معنی پھسلانا ہیں۔ اس میں حضرت امیر پر یہ الزام دیا ہے کہ انہوں نے ذلت اور ازل کو ایک کر دیا۔ لیکن اگر مسٹر پال کو عربی زبان سے واقعی کوئی مس ہوتا تو وہ یہ فضول اعتراض نہ کرتے لغت عرب میں یہ دونوں لفظ ایک ہی معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں اقرب الموارد جو عیسائی لغت نویس کی مؤلفہ لغت ہے۔ اس میں لکھا ہے

ازلّہ - ازلقہ وحملہ علی الزلۃ - ازل زلت کے معنوں میں بھی آجاتا ہے۔ آپ نے خود "ازلّہ فی منطق" کا ترجمہ فلاں شخص نے اس کو بات چیت کرنے میں پھسلایا کئے ہیں۔ پس اس بنا پر فازلھما الشیطن کے معنی یہ ہوئے کہ ان کا قصد گناہ کا نہ تھا۔ مگر شیطان نے ان کو اجتہادی غلطی لگوا کر پھسلا دیا۔

اب رہے لفظ غویٰ کے معنی۔ قرآن کریم نے ایک جگہ اسکو فاخرجھما مما کانا فیہ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسری جگہ فتشقیٰ ہے۔ پس غویٰ کے معنی یہاں گمراہ ہونے کے غلط ہیں بلکہ اغلط ہیں اور اس لفظ کے دوسرے معنے یعنی فتشقیٰ اور فسد علیشہ کے صحیح ہیں۔ یعنی اطمینان قلب جاتا رہا۔ اور یہی مطلب فاخرجھما مما کانا فیہ کا ہے۔ شیطان نے دونوں کو جنت سے نکال دیا یا ان کی راحت قلبی جاتی رہی ٭

آدم کے نسیان پر تعجب مت کرو

پادری صاحب کو اس امر پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو درخت سے منع کیا۔ شیطان کو اس کا دشمن بتا کر اس کو ہوشیار کر دیا۔ شیطان نے آدم کو ورغلاتے وقت اس درخت کا ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم کو اس درخت سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ تم ہمیشہ کی زندگی نہ پا جاؤ۔ ایسی صورت میں آدم ہرگز نہ بھول سکتا تھا۔ اس کا جواب میں اپنے مسلک پر دے چکا ہوں کہ آدم کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز کا جو آلہ تھا شیطان نے دھوکا دیکر اس کو مکدر کر دیا۔ ضمیر کی آواز اس قدر زوردار نہ تھی کہ وہ ماحول کے تاثرات سے اثر پذیر نہ ہوتی۔ اس لئے آدم کے بھول جانے میں کوئی

تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو ہماری روزانہ حالت کا نقشہ ہے۔ کہ اردگرد کے
حالات سے متاثر ہو کر ہماری ضمیر کے فیصلے غلط ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے
آپ کو سائیکالوجی یا علم النفس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ضمیر کی اس کمزوری کا علاج
وحی الٰہی ہے کہ جس میں غلطی کا امکان ناممکن ہے۔ آدم کے عہدِ فطرت بھول جانے
پر تو آپ کو تعجب ہوا مگر اس پر تعجب ہرگز نہ ہو گا۔ کہ مسیح نے حواریوں کو کہا کہ تم
سب اسی رات میرے سبب ٹھوکر کھاؤ گے۔ پطرس نے کہا اگرچہ سب تیری
بابت ٹھوکر کھائیں پر میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤں گا۔ یسوع نے اس سے کہا کہ میں تجھ
سے سچ کہتا ہوں کہ تو اسی رات مرغ کی بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار
کرے گا۔ پطرس نے پھر تاکیداً اس سے کہا کہ اگر تیرے ساتھ مجھے مرنا بھی ضرور
ہو تو بھی تیرا انکار نہ کروں گا۔ اب اس قدر بحث و پڑا ور تاکید اکید کے بعد
انجیل نویس کیا کہتے ہیں اس کو بھی سن لیجئے۔ اور پطرس باہر صحن میں بیٹھا ہوا تھا
کہ ایک لونڈی اس کے پاس آکر بولی کہ تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا۔ اس
نے سب کے سامنے یہ کہہ کر انکار کیا کہ "میں نہیں جانتا تو کیا کہتی ہے"؛ اور جب
وہ ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دوسری نے اُسے دیکھا اور جو وہاں تھے اُن سے کہا
کہ یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ اس نے قسم کھا کر پھر انکار کیا۔ کہ میں اس
آدمی (یسوع) کو نہیں جانتا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے انہوں
نے پطرس کے پاس آکر کہا کہ بے شک تو بھی ان میں سے ہے۔ کیونکہ تیری
بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا۔
کہ میں اس آدمی (یسوع مسیح) کو نہیں جانتا۔ اور فی الفور مرغ نے بانگ

دی۔ اور پطرس کو وہ بات یاد آئی جو اس نے کہی تھی۔ کہ مرغ کی بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا اور وہ باہر جا کر زار زار رویا۔"

متی باب ۲۶ آیت ۷۵-۶۹

سہو و نسیان اور خود فراموشی کی۔ اس قدر محیر العقول مثال شاید ہی کہیں مل سکے گی اس کے بالمقابل آدم کا نسیان کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ تاہم میں آپ کی مزید تسلی بلکہ عیسائی دنیا پر اتمام حجت کے لئے عہد جدید کا آدم کے متعلق فیصلہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ جس کے بالمقابل آپ کی ساری بحث یا ہوائی ہو کر رہ جاتی ہے۔" آدم نے فریب نہیں کھایا پر عورت فریب کھا کے گناہ میں پھنسی۔" (تمطاؤس اول باب ۲ آیت ۱۴) سانپ نے اپنی دغابازی سے حوا کو ٹھگا۔ ۲ قرنتیوں ۱۱/۳۔ پس آدم نے قطعاً جان بوجھ کر شیطان کا فریب نہیں کھایا۔ اس لئے گناہ میں بھی نہیں پھنسا۔ اب رہا یہ امر کہ عورت نے فریب کھایا اور گناہ میں پھنسی یہ جدا بحث ہے جس کو ہم سر دست نظر انداز کرتے ہیں۔

عصمت انبیاء از روئے قرآن کریم و بائبل

کیا گناہ نسلِ انسانی میں استقرا تام سے ثابت ہے

میں فطرتاً گنہگار ہوں یا موروثی طور پر بدکار ہوں۔ میری بناوٹ مجھے گناہ پر مجبور کرتی ہے۔ میرے جد امجد حضرت آدم نے گناہ کیا اور وہ گناہ کا ورثہ میں اپنی فطرت میں لایا ہوں یہ پولوسی یسوعیت کا عقیدہ ہے۔ میں بدی کا

مجسمہ ہوں اور اپنے نامعلوم گذشتہ جنم کے گناہوں کی زنجیر میں جکڑا ہوا پیدا ہوا ہوں۔ یہ ہندو مذہب کا اعتقاد ہے۔ فطرت انسانی کے متعلق کیا ہی مایوس کن فیصلہ ہے کہ جوان مذاہب کے داعیان زعیم نے کیا کہ جو نہ صرف عزم وہمت کی پیاس کو بجھا دیتا ہے بلکہ گناہ کے متعلق انسان کی ذاتی ذمہ داری کے احساس کو بھی مٹا دیتا ہے۔ اس اعتقاد کا اثران لوگوں کے اعمالِ حیات پر نہایت ہی بُرا پڑا۔ جب انہوں نے فطرت انسانی کو بد سمجھ لیا تو فسق و فجور اور ضلالت کی حالت میں ان کے اندر ایک گمراہ کن قناعت پیدا ہو گئی۔ بدی کا ارتکاب کرتے ہوئے وہ یہ سمجھنے لگے اور اپنے عقیدہ کی بنا پر بجا سمجھنے لگے کہ "بدی کے کرنے والے ہم نہیں بلکہ گناہ جو ہمارے اندر بستا ہے" (قول پال نامہ رومیوں $\frac{۷}{۱۹}$) اس پر پادری پال سچ کہتے ہیں کہ ع۔ فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پہ۔ اگر میرے جھوٹ بولنے سے خدا کا جلال ظاہر ہو تو میں گنہگار کیوں؟ (قول پال رومیون $\frac{۳}{۷}$) تاریخ عالم اس امر پر شاہد ہے کہ دنیا بھر کی بدیوں کا ایک بند "جو اس عقیدۂ فاسد نے عیسویت کی قرونِ وسطیٰ میں کھول دیا۔

انسان کے موروثی طور پر یا فطرتاً گنہگار ہونے کی ایک دلیل ہندی پوادر کے گل ہرسے بد پادری عبدالحق اور مسٹر پال یہ بھی دیا کرتے ہیں کہ چونکہ بنی نوع انسان میں سے کوئی بھی فرد گناہ سے خالی نہیں۔ لہذا نسل انسانی میں گناہ دلیل استقراء تام سے ثابت ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دلیل استقراء تام میں استثنٰی نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر ہم ایک بھی فرد مستثنٰی ثابت کر دیں تو یہ دلیل

بالکل باطل ہو جائے گی۔ تمام انبیاء کے بارہ میں مسلمانوں کا عام عقیدہ یہ ہے کہ وہ معصوم ہیں۔ حضرات شیعہ کے نزدیک تو امام بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اس عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں :-

۱- لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین (الحجر ۴۱)
شیطان کا اقرار ہے کہ میں تیرے مخلص بندوں کے علاوہ سب کو گمراہ کروں گا۔

۲- ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (الحجر ۴۲)
اللہ تعالیٰ شیطان کی بابت فرماتا ہے کہ تجھے میرے بندوں پر کوئی غلبہ نہیں۔

۳- ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المؤمنین۔ (السبا ۲۰)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا کہ مومنوں کے ایک فریق کے سوا لوگوں نے اس کی پیروی کی

۴- ما کان لنبی ان یغل۔ (آل عمران ۱۶۰)
نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ احکام الٰہی میں کسی قسم کی خیانت کرے۔

۵- یتلوا علیہم ایاتہ ویزکیہم۔ (آل عمران ۱۶۳)
نبی ان پر اللہ تعالےٰ کے احکامات پڑھ سناتا اور ان کو گناہوں سے پاک کرتا ہے۔ جو خود گنہگار ہو وہ دوسروں کو کیسے پاک کرسکتا ہے پس وہ صرف خود ہی پاک نہیں ہوتا۔ بلکہ اوروں کو بھی گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔

لہ اللہم اغسل خطایای کی حدیث ان آیات بینات کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی اور لفظ خطایای سے مراد وہ خطائیں ہیں کہ جو دوسرے لوگ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں یا مشہور کرتے ہیں۔

۶۔ واللہ یعصمک من الناس	اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالی تجھے
(المائدہ۔۶۷)	لوگوں سے معصوم بنائیگا۔
۷۔ یاقوم لیس بی ضلالۃ ولکنی رسول	اے میری قوم میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ رب العالمین
من رب العالمین (الاعراف۔۶۱)	کی طرف سے رسول ہوں۔
۸۔ ابلغکم رسالات ربی	اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچاتا ہوں۔ اور میں
وانا لکم ناصح امین۔	تمہارے لئے ناصح ہوں۔ الٰہی احکامات پر امین
(الاعراف۔۶۸)	ہوں (کہ ان کی خلاف ورزی نہیں کرتا)
۹۔ وحنانا من لدنا وزکوٰۃ وکان تقیاً (مریم۔۱۳)	یحییٰ پر اپنی طرف سے مہربانی کی۔ اسکو پاکیزگی عطا کی اور وہ گناہوں سے بچنے والا تھا۔
۱۰۔ لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون (الانبیاء۔۲۷)	رسول اللہ تعالی کی بات پر سبقت نہیں کرتے اور اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔
۱۱۔ وھم من خشیتہ مشفقون (الانبیاء۔۲۹)	اور وہ اس کی نافرمانی کے خوف سے ڈرتے ہیں۔
۱۲۔ ولم یکن جبارا عصیا (مریم۔۱۴)	یحییٰ جبر کرنے والا اور نافرمان نہیں تھا۔
۱۳۔ مصدقا بکلمۃ من اللہ وسیدا وحصورا ونبیا من الصالحین (آل عمران۔۳۹)	اللہ تعالی کی طرف سے کلام کو سچ کر دکھانے والا تھا سردار تھا۔ پاک دامن اور نیک لوگوں میں سے نبی تھا۔
۱۴۔ ولتصنع علی عینی۔ (طہٰ۔۳۹)	اے موسیٰ تاکہ تیری تربیت ہم اپنے سامنے کریں۔
۱۵۔ واذکر فی الکتب	کتاب میں ابراہیم کی خبر کو بیان کرو۔ یقیناً وہ

ابراھیم انہ کان صدیقا نبیا ؂ قول اعتقاد اور اپنے افعال میں اٹل راستباز نبی تھا ؂

ان آیات کے علاوہ بیسیوں ایسی آیات اور دلائل ہیں کہ جن سے انبیا کا معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نہ صرف قرآن مجید بلکہ توریت اور انجیل میں بھی باوجود اس کے کہ اکثر انبیاء کے ذمہ گناہ تھوپا گیا ہے تاہم دوسری آیات اور صحیح تاریخی روایات سے ان کا معصوم ہونا ثابت ہے اور خود انجیل سے انجیل کی اور عہدنامہ عتیق سے عہدنامہ عتیق کی تردید ہوسکتی ہے۔ جہاں ایک طرف اس قسم کی آیات موجود ہیں۔ کہ کوئی شخص انسان ہوکر معصوم نہیں ہو سکتا۔ وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

۱۔ زکریا اور اس کی بیوی دونو خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے۔ (لوقا $\frac{1}{4}$)

۲۔ حضرت داؤد کے متعلق لکھا ہے کہ داؤد پر بہت سا کرم کیا اس لئے کہ وہ تیرے آگے صداقت اور نیکوکاری سے اور تجھ پر سچا دل رکھ کے چلتا پھرتا رہا۔ (سلاطین ا $\frac{3}{4}$)

۳۔ اگر تو سلیمان میری راہوں پر چلے گا اور میرے قانونوں اور شریعتوں کو یاد

؂ رسالہ میں کیوں مسیحی ہوگیا میں پال صاحب نے ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب سے حضرت ابراہیم کو گنہگار ثابت کیا ہے۔ غفر کے معنی پناہ اور حفاظت کے ہیں۔ حضرت ابراہیم اس دعا میں حفاظت و پناہ الٰہی طلب کرتے ہیں۔ اس میں گناہوں کا اور ان کی معافی کا کوئی ذکر نہیں۔ قرآن کریم ان کو صدیق قرار دیتا ہے کہ جس کے معنی قول اعتقاد اور اعمال میں اٹل راستباز کے ہیں۔

چلیگا جس طرح کہ تیرا باپ داؤد چلا کیا (۱ سلاطین ۳/۱۴)

۴- تو بھی (سلیمان تو) تو میرے بندے داؤد کی طرح نہ ہوا جس نے میرے حکموں کو حفظ کیا۔ اور اپنے سارے دل سے میری پیروی کی۔ تاکہ فقط وہی کرے جو میری نگاہ میں اچھا تھا۔ (سلاطین ۱۴/۸ و ۱۱/۳۳، ۳۴)

۵- نوح کے متعلق لکھا ہے۔ نوح اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا۔ (پیدائش ۶/۹ و ۷/۱)

۶- مسیحی دوستوں کو ناز ہے کہ صرف مسیح نے بے گناہ ہونے کا دعوےٰ کیا (کہ جو ابھی تک ثبوت طلب ہے) مگر یسعیاہ نبی صاف کہتا ہے "کون مجھے مجرم ٹھہرائیے (یسعیاہ ۵۰/۹)

۷- اسی طرح حزقیاہ نبی نے کہا۔ اے خداوند میں تجھ سے منت کرتا ہوں کہ آپ یاد فرمائیے کہ میں کیونکر راستی اور دل کے کامل شوق سے تیرے آگے چلتا پھرتا رہا۔ اور جو تیری نگاہ میں اچھا تھا وہی میں نے کیا۔ (سلاطین ۲ ۲۰/۳)

۸- اور حنوک کی ساری عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی۔ اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ (پیدائش ۵/۲۴)

۹- میرا بندہ کالب جو ہے۔ از بسکہ اوہی روح اس کے ساتھ تھی اور اس نے میری پیروی پوری کی ہے (گنتی ۱۴/۲۴)

۱۰- ہارون خدا کا مقدس مرد تھا۔ (زبور ۱۰۶/۱۶)

۱۱- خدا ابراہیم کی سپر اور اس کا اعلیٰ اجر تھا۔ (پیدائش ۱۵/۱)

۱۲۔ خدا نے سب باتوں میں ابراہیم کو برکت بخشی تھی۔ (پیدائش ۲۴/۱)

۱۳۔ زمین کی سب قومیں تیری نسل سے برکت پاویں گی۔ اس لئے کہ ابراہیم نے میری آواز کو سنا اور میری تاکید کو میرے حکموں اور میرے قانونوں اور میری شریعتوں کو حفظ کیا۔ (پیدائش ۲۶/۵)

۱۴۔ موسیٰ میرے سارے گھر میں امانتدار ہے۔ میں اس سے آمنے سامنے صریح باتیں کرتا ہوں اور نہ کہ پوشیدہ باتیں۔ اور وہ خداوند کی شبیہ کو دیکھے گا۔ (گنتی ۱۲/۸)

۱۵۔ مسیح کہتا ہے۔ میں راستبازوں کیلئے نہیں بلکہ گنہگاروں کے بلانے کے لئے آیا ہوں۔ (مرقس ۲/۱۷)

راستباز اور گنہگار لوگ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں۔

اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیات عصمتِ انبیا ثابت کرنے کے لئے بائبل میں سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ سرِ دست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پس ایسی صورت میں نسل آدم موروثی طور پر گنہگار کیونکر کہلا سکتی ہے جبکہ اسی آدم کے بہت سے بیٹے ہوئے جنہوں نے مسیح سے زیادہ زور کے ساتھ بے گناہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ پس قرآن کریم کے یہ الفاظ بائبل کی تصدیق سے بھی سچ ثابت ہوتے ہیں کہ :۔ ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہٗ فاتبعوہ الا فریقًا من المؤمنین ۵ مومنوں کے گروہ نے شیطان کی پیروی ہرگز نہیں کی۔ رہا یہ امر کہ ایک جگہ بائبل میں حضرت داؤد کے صرف ایک گناہ کا بھی ذکر ہے جو مندرجہ بالا حوالجات کی موجودگی میں الحاقی معلوم ہوتا ہے۔ نیز حضرت

داؤد کے متعلق زنا کا قصہ بطور ایک خبر کے بیان ہوا ہے۔ اس کے برعکس آپ کا برگزیدہ الٰہی متقی اور پرہیزگار ہونا امر مسلمہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔ پس خبر اور امر مسلمہ میں جو فرق بین ہے وہ ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں کیونکہ خبر میں کذب کا احتمال ہوتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کتاب سموئیل کے ذکہ جس میں یہ قصہ مذکور ہے) مضامین اس قدر متضاد اور مبہم ہیں کہ زمانہ حال کے علماء یورپ کو مجبور ہو کر یہ کہنا پڑا کہ سموئیل کی دونوں کتابوں کے اکثر ابواب الحاقی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر سمتھ اور ریورنڈ کرک پیٹرک کے نزدیک کتاب اول سموئیل باب ۱۷ اور کچھ حصہ باب ۱۸ کا الحاقی ہے۔ ان علماء کے نزدیک نسخہ سبعینہ (سپٹواجینٹ یعنی بائبل کا یونانی نسخہ) جس میں سے یہ مقامات حذف ہیں زیادہ قابل وثوق ہے۔ (ورپورم بائبل صفحہ ۳۱۴)

کیا آدم کو فی الحقیقت گناہ کی سزا ملی؟

علم النفس میں یہ امر مسلمہ ہے کہ کیفیت وقوفی کیفیت احساسی پر مقدم ہے یعنی نفس انسانی میں پہلے کسی امر کی اطلاع ہو لیتی ہے تو اس کے بعد حظ و الم اور رنج و راحت کی کیفیت نفس پر طاری ہوتی ہے۔ لیکن اختلال جذبات میں اس کی صورت بالکل الٹ ہوتی ہے یعنی ایک فاتر العقل انسان پہلے خواہ مخواہ خوش اور غمزدہ ہو جاتا ہے اور بعد میں جب اس کی خوشی اور غمی کی وجہ دریافت کی جائے تو وہ ایک فرضی واقعہ گھڑ لیتا ہے۔ ہمارے دوست ایس۔ ایم پال اسی دام فریب کے شکار بنے بیٹھے ہیں۔ آپ

کہتے ہیں آدم نے گناہ کیا۔ دلیل یہ ہے کہ آدم کو سزا ملی۔ اور اگر یہ پوچھو کہ سزا ملنے کی سند کیا ہے تو کہتے ہیں کہ آدم کو ہبوط ہوُا اور جنت سے نکالا گیا شریعت کی رُو سے آدم کا گنہگار ہونا فرضی۔ فرضی گناہ کی سزا ملنا وہم۔ اس کے نتیجہ میں کل نسل انسانی کا گنہگار ہونا خیالی ڈھکوسلہ! یہ ہے وہ فرضی ڈھونگ، التباس نظر اور سریانِ خیال کہ جس پر عیسائیت کی بنیاد ہے۔ انجیل اور قرآن شریف سے ہم اس امر کو ثابت کر چکے ہیں۔ کہ:۔

۱۔ آدم کی لغزش کوئی عزم اور ارادہ سے نہ تھی۔ بلکہ جہاں تک ارادہ اور عزم کا تعلق تھا۔ اس نے شیطان کے حملہ کو بار بار رد کر دیا۔ شیطان نے پہلی مرتبہ کہا۔

ما نہاکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین (الاعراف۔ ۲۰) (ترجمہ) تمہارے رب نے اس درخت سے اس لئے منع کیا ہے کہ تم کہیں فرشتہ اور ہمیشہ کی زندگی پانیوالے نہ ہو جاؤ۔ آدم شیطان کے اس فریب میں نہ آئے اور اس لالچ کی پرواہ نہ کی۔ تو شیطان نے اپنا دوسرا حربہ استعمال کیا۔ وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین اور بڑی سختی کے ساتھ زور لگا کر قسم کھا کر اپنے آپ کو دونوں کا خیرخواہ ظاہر کیا اور جب اس پر بھی کامیاب نہ ہوا تو ان کو کسی نہ کسی طرح دھوکا دیکر بھلا دیا۔ فدلٰھما بغرور۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے آدم کی لغزش کی تمام تر ذمہ واری شیطان پر ڈالی ہے۔ فنسی ولم نجد لہٗ عزما۔ فرما کر آدم کی برّیت کر دی۔

۲۔ آدم کی یہ فرو گذاشت وحی الٰہی کی خلاف ورزی نہ تھی۔

۴۔ تمام انبیاء معصوم رہے ہیں۔ آدم نبی تھا اس لئے بگناہ تھا۔
پادری صاحب کہتے ہیں آدم کو ان کی لغزش کی پاداش میں تین سزائیں ملیں

۱۔ ہبوط الی الارض۔

۲۔ جنت سے اخراج۔

۳۔ لباس کا چھینا جانا۔

مگر قرآن کریم کو غور سے پڑھو۔ کسی ایک جگہ بھی نہیں لکھا کہ ہبوط درخت کا پھل کھانے کی سزا تھی۔ جو خدا نے آدم کو دی۔ بلکہ ہبوط کو اس حالت کا نقشہ قرار دیا ہے کہ جس میں آدم اور شیطان کی باہم عداوت کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرمایا (اھبطوا بعضکم لبعضٍ عدو)

ہبوط یہی ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ جب شیطان کے ازلال کا کھٹکا پیدا ہو گیا تو ایک حزم و احتیاط کی زندگی کی ضرورت پیدا ہو گئی طمانیت قلب اور آرام و عیش نہ رہا اور ہر وقت شیطان سے جنگ چھڑ گئی۔ مگر اس امر کو پھر یاد رکھو کہ یہ کسی شرعی گناہ کی سزا نہیں۔ بلکہ تلنا کے لفظ میں جیسا کہ پادری صاحب نے خود تسلیم کیا ہے۔ ایک حالت کا اظہار ہے۔ رہا یہ امر کہ آدم اور حوّا کے کپڑے گناہ کی سزا میں اُتر گئے۔ قرآن کریم میں یہ کہیں بھی نہیں لکھا کہ ہم نے آدم کو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کی یہ سزا دی کہ اس کے کپڑے گلے سے اُتر کر زمین پر آرہے۔ اور وہ بائبل کے آدم کی طرح ننگ دھڑنگ رہ گیا۔ یہ تو عہد عتیق کا نقشہ ہے کہ جو پال صاحب کے دماغ میں سمایا ہوا ہے اور جو کسی حدیث کی شکل میں ان کو نظر آرہا ہے۔ اس کا مطلب سوائے اسکے کچھ نہیں

کہ آدم اور شیطان کی باہم عداوت ہے وہ اس کو ورغلانے کے درپے ہے۔ اور وہ اس کا سر کچلنے پر آمادہ۔ روح کی حفاظت کا لباس گویا ہاتھ سے جاتا رہا اور یہ حالت صرف اس وقت تک رہی کہ جب تک آدم کو وحی اور ہدایتِ الٰہی کی مضبوط زرہ نہیں ملی۔ آدم نے فوراً الٰہی مدد کی ضرورت کا احساس کیا اور توبہ کر کے اپنے اصلی مقام جنت اور تقویٰ کے لباس میں واپس آگیا۔ کیونکہ توبہ کے معنی ہی اپنے اصلی مقام پر واپس آجانے کے ہیں۔ پادری صاحب! خدا محبت کیا اس ذات کا نام ہو سکتا ہے کہ آدم تو ہمیشہ کے لئے توبہ کر کے اصلی حالت پر واپس آجائے مگر وہ اس کو وہی پہلا مقام عطا کرنے میں بخل کرے۔ یسوعیت کا خدا ایسا ہو تو ہو مگر اسلام کا خدا ایسا ہرگز نہیں۔ بس آدم کا توبہ کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی فوراً اس پر رجوع برحمت ہوا۔ اور اس کو جنت میں داخل کر کے آئندہ کے لئے اس کو جنت سے کبھی نہ نکلنے کے لئے ہدایات اور شعائر عطا کیں کہ جن پر چل کر آدم اور دوسرے انبیاء نے سیرتِ فرشتگی معصومیت، ہمیشہ کی زندگی اور لازوال سلطنت (جنت) کو حاصل کر لیا کہ جس کا لالچ دیکر شیطان نے جنت بدر کرانے کی کوشش کی تھی۔ اسی کے حصول کا صحیح راستہ اللہ تعالیٰ نے خود بتلا دیا۔

پادری پال کی غلط فہمیاں

قرآن کریم کا نام الذکر ہے وہ دنیا میں اس غرض کے لئے نہیں آیا کہ انسانی عزت وشرف کو باقی تمام مخلوقات عالم سے نیچے گرا دے بلکہ اس کی آمد کا مقصد وحید دنیا کے اندر انسان کو فی الواقع اشرف واعلیٰ قرار دیکر ارتقاء کی بلند سے بلند منزلوں پر پہنچانا تھا اس لئے اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا" تمام انسان اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرۃ پر بنائے گئے ہیں۔ قانون فطرت بے عیب اور بے خطا ہے اس لئے انسان بھی اپنی فطرۃ میں بے عیب اور خیر محض ہے۔ وہ ایک خالص اور کامل نیکی ہے یہ قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور یہی انبیاء کی سنت ہے جس کو ہم گذشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں مگر پادری پال قرآن کریم کی تصریحات کو چھوڑ کر مسلمانوں کے عقیدہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کے متعلق ایک نیا نظریہ تجویز کرتے ہیں مگر اس تصویر کی نزاکت ملاحظہ ہو کہ کہیں آپ متشابہات سے بھٹک جاتے ہیں کہیں احادیث کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ کہیں الفاظ کے کثرت معانی سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ پر اتنا نہیں سوچتے کہ ہمارے نزدیک قرآن کریم العلم ہے وہ اپنی تفسیر آپ ہے اور اپنے متشابہات کی خود ہی صحیح تاویل ہے۔ احادیث قرآن کے ماتحت ہی قابل قبول ہیں۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں انسان کو فطرتاً معصوم قرار دیا گیا ہے۔ اس

کے متعلق بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ اور ایک اور بات کہہ کر اس مضمون کو ختم کرتا
ہوں۔ قرآن کریم فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان
کو نہایت نیک تقویم و بہترین حالت پر پیدا کیا ہے۔ اس کی تقویم یا مادہ قوام
میں اصلاً کوئی بدی کا بیج نہیں۔ جس قدر بھی برائی ہے وہ انسان کا کسب خارجی
ہے نیکی اس کا فطری عمل ہے اور بدی غیر فطری۔ اس کو صرف ایک ہی بیج
دیا گیا ہے جو صرف نیکی کا بیج ہے۔ وہ جب ابھرتا ہے تو اپنے قوائے اور
استعدادوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ مگر جب پامال کر دیا جاتا ہے تو بدی ہے
جو لوگ اس احسنِ تقویم کو بگاڑتے ہیں ان کے فطری قویٰ دب کر انکو اسفل
میں لے جاتے ہیں اور اسفل ترین بنا دیتے ہیں ثم رددناہ اسفل سافلین
نیکی کا بیج جب ابھرتا ہے تو وہ ایک ایسا شجرہ طیبہ بنتا ہے کہ جس کی شاخیں
آسمان تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہی ارتقاء نسل انسانی ہے۔ نیک آدمی اسی شجرۂ
طیبہ کے سایہ کی جنت میں ابدالآباد تک رہتا اور اس کے پھل کھاتا ہے۔
ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء
تؤتی اکلھا کل حین (ابراہیم۔ ۲۴) جب انسان کا نورِ معرفت جو فطرت نے
اسے عطا کیا ہے بجھ جاتا ہے تو وہ حیوانوں سے بھی نیچے سافلین میں گر جاتا
ہے۔ مگر جو لوگ اس احسن تقویم پر قائم رہتے اور اعمال صالحہ سے اس نیکی کے
بیج کی پرورش کرتے ہیں تو اس کے ثمرات لامحدود ہوتے ہیں الا الذین امنوا
وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون۔

بہرحال ان آیات سے ظاہر ہے کہ انسان احسن تقویم پر پیدا کیا گیا ہے

اور احسن تقویم کا نام دوسری جگہ فطرۃ اللہ ہے دین اللہ ہے۔ دین قیم ہے اور الاسلام ہے افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوات والارض طوعًا وکرھًا والیہ یرجعون۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ کیا ان تمام آیات میں دین قیم۔ دین اللہ۔ دین حنیف۔ فطرۃ اللہ اور الاسلام باہم مترادف نہیں

پادری صاحب لکھتے ہیں کہ آیت فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا الخ میں اسلام کا نام تک نہیں۔ انسانی فطرت کے معصوم ہونے کا اشارہ تک نہیں اور حضرت امیرؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا ہے۔ کہ حضورؐ نے فطرۃ اللہ کے معنی الاسلام بتلائے ہیں۔ ابن مبارک کے قول کے مطابق اس کا مطلب انسان کا شقی اور سعید ہونا ہے فطرتًا معصوم ہونا نہیں۔

پادری صاحب کے بہکنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کو چھوڑ کر روایتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کی بہترین تفسیر خود قرآن ہے۔ روایات کا درجہ بہت پیچھے ہے۔ اور قرآن کے ساتھ مطابقت رکھنے سے ہی قابلِ قبول ہیں۔ پوری آیت پر غور کرو کہ بات کتنی صاف ہے۔ فاقم وجھک للدین حنیفا۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ دین حنیف کے لئے اپنے آپ کو مضبوط رکھ یہ فطرۃ اللہ ہے۔ کہ جس پر لوگوں کو اس نے پیدا کیا دین حنیف یا یہ فطرۃ اللہ ناقابل تبدیل ہے۔ بلکہ یہی قائم رکھنے والا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس آیت میں تین جملے قابل غور ہیں۔ دین حنیف۔ فطرۃ اللہ اور دین قیم یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم

کی اصطلاح میں دین حنیف اسلام کا نام ہے۔ اور اسی کو بار بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین پکارا گیا ہے۔ فطرۃ اللہ اور دین قیم اسی دین حنیف کو بتلایا گیا۔ دین حنیف کیوں دین فطرت ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ جن کے دین کا نام خصوصیت سے دین حنیف ہے۔ ان کے متعلق قرآن کریم میں لکھا ہے "وجاء بقلب سلیم" ابراہیم قلب سلیم (فطرۃ کی سلامتی) کے ساتھ خدا کے حضور حاضر ہوا۔ اذ قال لہٗ ربہٗ اَسْلِمْ قَالَ اسلمت لرب العلمین جب اس کو اس کے رب نے کہا اسلام لا اس نے کہا میں رب العالمین کے لئے مسلمان ہوا۔ اس کا ذکر عہد جدید میں بھی آچکا ہے۔

"وہ وعدہ جو ابراہیم اور اس کی نسل کے ساتھ تھا کہ دنیا کا وارث ہو گا سو شریعت کے وسیلہ سے نہیں بلکہ ایمان کی راستبازی کے وسیلہ سے تھا.... تاکہ وہ عہد تمام نسل کے لئے قائم رہے نہ صرف اس نسل کے لئے جو شریعت والی ہے۔ بلکہ اس کے لئے بھی جو ابراہیم کا سا ایمان (قلب سلیم) رکھتی ہے (رومیون $\frac{4}{13-16}$)

پس قرآن کریم ہی سے ثابت ہو گیا کہ فطرۃ اللہ دین حنیف ہے اور وہ اسلام ہے۔ آپ حدیث ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ الخ پر تواہ مخواہ الجھے ہیں بات بالکل صاف ہے کہ ہر ایک بچہ فطرۃ اللہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے ماں باپ یہودی ہوں تو اسکو یہودی بنا لیتے ہیں نصاریٰ ہوں تو نصرانی اور مجوسی ہوں تو مجوسی بنا لیتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں فطرۃ اللہ یہودی۔ نصرانی اور مجوسی کے بالمقابل استعمال

ہوا ہے۔ ان مذاہب کو گویا غیر فطرۃ قرار دیا ہے۔ ان سب کے بالمقابل اسلام ہے کہ جو عین فطرت اللہ ہے۔ انسان کی ظاہری شکل وصورت کا بیاں کوئی ذکر نہیں۔ بیاں دین حنیف اور دین قیم کا ذکر ہے۔ آپ مضمون کو چھوڑ کر مثال میں اُلجھ گئے ہیں اس لئے اصل مطلب سے دور جا پڑے ہیں۔ امام بخاری نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن کی اپنی تفسیر کے بالمقابل ابن مبارک کے قول کو ترجیح دینا آپ کے علم حدیث کی پردہ دری کرتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ پر بہتان کا الزام آپ کا افتراء ہے۔ صحاح کی ایک حدیث میں علی الفطرۃ الاسلام بھی آیا ہے۔

بچوں کے اسلام پر یا فطری طور پر معصوم ہونے کے خلاف آپ نے دوسری حدیث یہ پیش کی ہے کہ جس کے ترجمہ میں آپ نے دیانت سے کام نہیں لیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ ذراری المؤمنین قال من اٰباءھم فقلت یارسول اللہ بلا عمل قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ فقلت لذراری المشرکین قال من اٰباءھم قلت بلا عمل قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ مومنوں کی اولاد کے بارہ میں کیا حکم ہے فرمایا کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہیں۔ میں نے پوچھا کیا بلا عمل ہی۔ فرمایا اللہ تو بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنیوالے تھے مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہیں۔ میں نے کہا کیا بلا عمل ہی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنیوالے تھے

پادری صاحب اس حدیث سے بچوں کے جنتی اور جہنمی ہونیکا مطلب پیدا کرتے ہیں کہ جس کا اصل حدیث میں اشارہ تک بھی نہیں۔ حدیث کا مطلب کوئی پیچیدہ نہیں۔ مومنوں کی اولاد مومن اور مشرکوں کی اولاد مشرک بلا عمل ہی کہلاتی ہے آئندہ وہ مومنوں

والے کام کریں گے یا مشرکوں والے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر شریعت اور قانون کا نفاذ ظاہر پر ہے۔ اسلامی فطرۃ پر ہر ایک بچہ کے پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اب مسلمان تمام مشرکوں کے بچے چھین لائیں یا وہ مر جائیں تو ان کا جنازہ پڑھیں محض اس لئے کہ وہ فطرتاً مسلمان ہیں۔ البتہ امام بخاری بچوں کے جہنمی یا جنتی ہونے کے متعلق باب ما قیل فی اولاد المشرکین کے ملحقات میں ایک صاف اور صریح حدیث لائے ہیں۔ حدیث بہت ہی لمبی ہے اس کا ضروری حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ ایک رویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے فانطلقنا حتیٰ اتینا الیٰ روضۃٍ خضراءَ فیھا شجرۃٌ عظیمۃٌ وفی اصلھا شیخٌ وصبیانٌ ...... والشیخ الذی فی اصل الشجرۃ ابراھیم والصبیان حولہٗ فاولاد الناس"۔ فرمایا ہم چلے (جنت میں) یہانتک کہ ہم سبز باغ کی طرف آئے اس میں ایک بہت بڑا درخت تھا اور اس کی جڑمیں ایک بوڑھا اور بچے تھے .... بوڑھا ابراہیم تھا اور بچے لوگوں کی اولاد تھے"۔ بوڑھا ذی فطرۃ سلیم والا بوڑھا ہے اور بچے فطرۃ سلیمہ رکھنے کی وجہ سے اسکی گود میں ہیں۔ دو حدیثیں آپ نے اس مضمون کی پیش کی ہیں کہ ماں کے پیٹ ہی میں فرشتہ بچہ کے شقی اور سعید ہونے کو لکھ دیتا ہے۔ ان کا اصل مضمون کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ نسل انسانی کے ہر بچہ کے فطرتاً گنہگار ہونے پر کوئی دلیل ہے ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ علم الٰہی میں اس وقت سے اس کا شقی یا سعید ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بلاشبہ ہماری پیدائش سے پیشتر ہی اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کا عالم ہے۔ لیکن اس علم یا اس کی کیفیت کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اس لئے

وہ ہمیں بدی پر مجبور نہیں کرتا۔ بدی کا ارتکاب تو ہم اپنے اختیار سے کرتے ہیں۔ اس کے کرنے میں ہم مختار ہیں نہ کہ مجبور۔ ان احادیث کا کوئی تعلق اصل بحث کے ساتھ نہیں۔

پانچویں حدیث پال صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے اولاد آدم کو مختلف درجوں پر پیدا کیا بعض ان میں سے مومن پیدا ہوتے ہیں مومن رہتے اور مومن مرتے ہیں بعض کافر پیدا ہوتے۔ کافر رہتے اور کافر ہی مرتے ہیں۔ بعض مومن پیدا ہوتے مومن رہتے اور کافر مرتے ہیں بعض کافر پیدا ہوتے کافر رہتے اور مومن مرتے ہیں یا ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے۔ (جو آپ نے "میں مسیحی کیوں ہوا" میں پیش کی ہے) ایک شخص نیک عمل کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ جنت کے بہت قریب ہو جاتا ہے مگر ایک گناہ کرتا ہے کہ وہ جہنمی ہو جاتا ہے اور کبھی ایک شخص بد اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنم کے قریب ہو جاتا ہے مگر ایک نیک عمل سے جنتی ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں بھی اپنے اصل مطلب کے لحاظ سے کسی کو فطری یا موروثی طور پر گنہگار نہیں ثابت کرتیں۔ لوگوں کا مختلف درجات میں پیدا ہونا ظاہری نظارہ ہے۔ مومنوں کے گھر میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے مسلمان کہلاتی ہے۔ کافروں کے گھر میں جو اولاد ہوتی وہ ہندو، یہودی، نصرانی وغیرہ غیر اسلام کہلاتی ہے ان میں سے لوگ کافر و مومن ہوتے رہتے ہیں۔ آپ اپنی مثال سمجھ لیجئے۔ مومن پیدا ہوئے۔ کچھ مدت رہے لیکن اب غیر اسلام کی موت مر رہے ہیں۔ اسی طرح لارڈ ہیڈلے۔ سر آرچیبالڈ ہملٹن اور

لارڈ سٹینلے جیلینگ کفر میں پیدا ہوئے مگر مومن ہوگئے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد آپ کی شرارت کی رگ بھی پھڑکی ہے اور لکھا ہے کہ "جب بعض مومن پیدا ہوتے ہیں مومن رہتے ہیں اور کافر مرتے ہیں تو کس طرح ہم کسی مقدس ریش سفید کے حق میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ جنتی یا بالفاظ دیگر ایماندار ہو کر مرا، ہم کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتے ورنہ بڑے بڑے مجددوں اور مقدسوں کے حق میں اس جملہ کے ساتھ سوال کر سکتے تھے۔ لیکن یہ ہمارا وتیرہ نہیں ہے۔ ہم تو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قارئین کرام یہ معلوم کرلیں کہ تقدس مآب کیا فرما رہے ہیں اور ان کا تنبورہ کیا الاپ رہا ہے" (مبسوط صد۲۳) ان الفاظ کو پڑھ کر مجھے بہت ہی دکھ ہوا کیا یہی تہذیب اور شائستگی ہے کہ جس پر آپ کو ناز ہے؟ تمہارا بھی منہ ہے کہ جو کہہ سکے کہ مسیحیت نے مجھ میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی ہے؟ مجددین عظام اور مقدسین کرام کے حق میں اپنی کوتہ فہمی سے فقرے چست کرنا اور قرآن و حدیث کو تنبورہ لکھنا انتہا درجہ کی قساوت قلبی، بدتہذیبی اور گستاخی کا کام ہے۔ میں اس کے جواب میں انجیل اور بائبل کی بنا پر بہت کچھ لکھ سکتا ہوں مگر خلق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے روکتا ہے۔

ساتویں حدیث جو آپ نے پیش کی ہے وہ بھی بہت ہی صاف ہے ایک آدمی نیک کام کرتا ہوا جنت کے بہت قریب پہنچ جاتا ہے۔ مگر ایک ہی ایسا خطرناک گناہ کرتا ہے کہ جہنمی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک لب جہنم پہنچا ہوا بھی جنتی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک تندرست اور مضبوط پہلوان کہ جس نے ہمیشہ

اپنی صحت کی حفاظت کی ہو زہر کے ایک ہی گھونٹ سے ہلاک ہو جاتا ہے ہمارے خیال میں تو ہمیں کسی عقلمند کے لئے اعتراض کی گنجائش نہیں۔

آٹھویں حدیث آپ نے یہ پیش کی ہے کہ ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقیٰ علیہم من نورہ فمن اصابہ من ذالک النور اھتدی ومن خطاہ اضل فلذالک اقول جف القلم علیٰ علم اللہ۔ یعنی عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا نور ان پر برسایا۔ جس پر یہ نور پڑا ہدایت یافتہ ہوگیا۔ اور جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہوگیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ خدا کے علم پر قلم خشک ہوگیا۔ اس پر آپ کا اعتراض یہ ہے "اب کون وہ شخص ہے کہ احادیث مافوق پڑھنے کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ خدا نے تمام انسانوں کو صحیح حالت پر پیدا کیا ہے۔ اس حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام انسانوں حتیٰ کہ جنوں کو بھی ظلمت سرشت پیدا کیا ہے۔ کیا اسلام کے عظیم الشان پیغاموں میں سے یہ بھی ایک پیغام ہے"۔

اصل حدیث میں تو روح انسانی کو بدیا فطرتاً گنہگار پیدا کرنے کا اشارہ تک نہیں۔ البتہ پادری صاحب سے ہمیں وہی شکایت ہے کہ جو جناب مسیح کو مقدس حواریوں سے تھی کہ انہوں نے اپنے استاد کی بات کو کبھی صحیح معنوں میں نہ سمجھا بلکہ آخر تک اس کی تمثیلوں سے اکثر ٹھوکر کھاتے رہے۔ آپ اپنے دل میں ایک خیال لئے بیٹھے ہیں۔ وہی حدیث کے سر منڈھ دیتے ہیں حدیث کا مطلب کتنا صاف ہے اور آپ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ انسانی

روح بذات خود ایک چمکدار آئینہ ہے وہ اپنی ذات سے تاریک ہرگز نہیں البتہ ارد گرد جذبات رویّہ اور شہوات نفسانیہ کی تاریک گھٹائیں ضرور اٹھتی رہتی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کا نور (وحی الٰہی) دور کر کے آئینہ کو اور زیادہ مجلی کر دیتا ہے اور جو اس نور کو حاصل نہیں کرتا اس کا آئینہ فطرت تاریکیوں میں گھرا رہتا ہے یہ خدا کا قانون ہے جو اٹل ہے۔ فرمائیے فطرت انسانی کے بد ہونے کی اس میں کونسی دلیل ہے۔

نویں حدیث آپ نے دعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی جنازۃ الصبی من الانصار نقلت یارسول اللہ طوبیٰ لھذا عصفور من عصافیر الجنۃ لم یعمل السوء ولم یدرکہ فقال اوغیر ذالک یا عائشۃ ان اللہ خلق للجنۃ اھلا خلقھم لھا وھم فی اصلاب اباھم پیش کی ہے۔ کہ "ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصار کے چھوٹے بچہ کے جنازہ پر بلائے گئے تو میں نے (عائشہ نے) کہا یارسول اللہ یہ جنت کی چڑیا کیا ہی خوش نصیب ہے نہ تو برا کام کیا اور نہ اس کے قریب پھٹکا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ حقیقت اس کے سوا ہے۔ جنت والوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے آباء کی پیٹھ میں ہی جنت کے لئے پیدا کیا ہے" اس حدیث میں سے بچوں کے جنتی اور دوزخی ہونے کا استدلال پکڑنا پادری صاحب کا ہی کام ہے۔ حدیث تو یہ کہتی ہے کہ بچے اہل جنت ہیں اور اپنے آباء کی پیٹھ میں ہی جنتی ہوتے ہیں۔ بعد میں کوئی دوزخی بن جائے تو وہ اس کا اپنا اکتساب ہے

دو احادیث آپ نے آدم کے متعلق اور پیش کی ہیں ایک ترمذی کی

حدیث ہے اور دوسری مسلم کی ایک میں ذکر ہے کہ آدمؑ نے اپنی عمر کے چالیس سال داؤدؑ کو عطا کر دیئے۔ اس کے آخر میں یہ عبارت بھی نقل کی گئی ہے کہ آدم نے انکار کیا۔ پس اس کی ذریت بھی انکاری ہوئی۔ اور شجرہ ممنوعہ کھانے کی وجہ سے بھول گیا۔ پس اس کی ذریت بھی بھول گئی۔ اور آدم نے خطا کی۔ اس کی ذریت نے بھی خطا کی (ترمذی) دوسری حدیث میں ہے کہ آدمؑ اور موسیٰؑ کا خدا کے حضور مناظرہ ہوا۔ پس آدمؑ موسیٰؑ پر غالب آ گئے۔ موسیٰ نے کہا کہ تم وہی آدم ہو کہ جن کو خدا نے اپنی قدرت سے پیدا کیا اور جن میں اپنی روح پھونکی۔ اور جن کے آگے اس کے فرشتوں نے سجدہ کیا اور جن کو خدا نے اپنی جنت میں رکھا۔ پھر تم نے اپنے گناہ کے سبب سے لوگوں کو زمین پر اُتار دیا۔ آدمؑ نے کہا تم وہی موسیٰ ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مقرر کیا اور ان کے ساتھ کلام کیا۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ نے لوحیں دیں۔ جن میں ہر ایک چیز کا بیان تھا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے قربت دے کر مناجی مقرر کیا۔ پس تم بتلا سکتے ہو کہ میرے خلق کرنے سے قبل خدا نے کتنے سال پہلے تورات لکھ دی تھی؟ موسیٰؑ نے کہا چالیس سال۔ آدم نے کہا کیا تم نے تورات میں پایا تھا کہ "آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور دکھ میں پڑا!" موسیٰ نے کہا ہاں۔ پھر آدم نے کہا تم مجھ کو ایسی بات پر ملامت کرتے ہو جسکو اللہ نے میرے واسطے میرے پیدا ہونے سے بھی چالیس سال پہلے لکھ دی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم موسیٰ پر غالب آ گئے (مسلم) اس قسم کی احادیث ہمارے ہاں اسرائیلیات کہلاتی ہیں کہ جو صریح طور

پر قرآن کریم اور عقل سلیم کے خلاف ہیں۔ بفرض محال اگر ان احادیث کو مان بھی لیا جائے تو پہلی حدیث میں حضرت آدمؑ کی لغزش کو نسل آدم میں ورثہ نہیں بتلایا گیا۔ زیادہ سے زیادہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جس بنا پر آدم سے لغزش ہوئی اسی بنا پر بنی آدم سے بھی ہوتی ہے نہ یہ کہ آدمؑ کی لغزش کی وجہ سے بنی آدم گنہگار ٹھہر گئے۔ دوسری حدیث کے متعلق امام رازی نے بھی ان احادیث پر لکھا ہے کہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اپنی طرف سے نہیں بیان کیا تھا بلکہ یہودیوں کا قول نقل کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نقل یوں بیان کی مگر راوی حدیث جب آیا تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات نہیں سنی کہ یہ مقولہ یہودیوں کا ہے۔ وہ یہ سمجھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کہہ رہے ہیں۔ یہودیوں سے یہ مذکور نہیں ہے۔ نیز موسیٰؑ اور آدمؑ کے مناظرہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدم کو لغزش پر مذمت کی جائے۔ یا تقدیر الٰہی کو دستاویز معذرت بنا کر گنہگاروں کو گناہ کے نتائج سے بری الذمہ قرار دیا جائے۔ اس طرح تو فرعون وہامان ونمرود اور تمام کفار ومشرکین کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے گناہ کیا تو کیا ہوا تقدیر ہی میں یوں لکھا تھا ہمارا کیا قصور۔ بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ موسیٰؑ نے آدمؑ سے پوچھا کہ جو لغزش آپ سے ہوئی اور جس کے سبب سے آپ بہشت سے باہر نکلے اس کا سبب کیا تھا۔ آدم نے جواب دیا کہ میں کسی لغزش کی وجہ سے باہر نہیں نکلا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری نسبت لکھ رکھا تھا کہ میں جنت سے زمین پر آؤں گا اور زمین کا خلیفہ بنایا جاؤں گا۔ یہ توراۃ میں بھی لکھا ہوا تھا۔ اس بنا پر حضرت آدمؑ کی دلیل موسیٰ

پر قوی ٹھہری۔ اس حدیث پر امام رازی کی اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ اول تو حدیث از قسم اسرائیلیات ہے اور دوسرے یہ کہ آدم کی کسی لغزش کی وجہ سے ہرگز وہ جنت سے نہیں نکلے بلکہ ھبوط اخراج از جنت اور لباس کا چھینا جانا پہلے سے مقدر اور مصلحتِ الٰہی کی بنا پر تھا اور آدمؑ کی اپنی بہتری اور ارتقاء کے لئے تھا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث اُلٹی پادری پال کے خیال کی تردید میں ہے نہ تائید میں۔

"میں مسیحی کیوں ہوا" میں پال صاحب "ان الانسان لربہ لکنود" کی آیت سے کل انسانوں کا گنہگار ہونا سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ سورۃ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ بعثت کے منکر انسان کی بابت ہے افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور وحصل ما فی الصدور کی آیت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لئے اکثر مفسرین کا قول حضرت ابن عباس کی روایت کی بنا پر یہ ہے کہ اس سے مراد قرط بن عبداللہ بن عمرو بن نوفل القرشی ہے یا اسی خیال کے اور لوگ ہیں آیت ان منکم الا واردھا کان علیٰ ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا (سورۃ مریم) سے بھی ہر شخص کے جہنم میں داخل ہونے کا مفہوم نہیں لیا جا سکتا۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں متقیوں کے متعلق ایک جگہ اولٰئک عنھا مبعدون کہ وہ اس سے دور رکھے جائیں گے دوسری جگہ لا یسمعون حسیسھا آتا ہے کہ وہ اس کی بھنک بھی نہیں سنیں گے! اور تیسری جگہ وھم من فزع یومئذٍ اٰمنون کہ وہ اس دن کی گھبراہٹ سے امن میں ہونگے چوتھے مقام پر یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدًا ونسوق المجرمین الی جہنم

وردا۔ یعنی متقی رحمٰن کی طرف گروہ در گروہ جمع ہوں گے اور مجرم جہنم کی طرف پیاسے ہانکے جائیں گے۔ ان آیات بینات کی بنا پر متقیوں کا جہنم میں داخل ہونا ناممکن ہے۔ پس آیت زیر بحث میں تمام انسانوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ذکر ہرگز نہیں یہ عقیدہ مسیحیوں کا ہو سکتا ہے کہ جن کے خدا کو بھی عیسائی دنیا کے گناہوں کے بدلہ میں تین دن جہنم میں رہنا پڑا اور اگر جہنم کسی مخصوص جگہ کا نام نہیں جیسا کہ پادری عبدالحق کا خیال ہے بلکہ وہ ایک روحانی کیفیت ہے کہ جو گناہوں کی آگ سے پیدا ہوتی ہے تو مسیح کے جہنم میں ورود کے حقیقی مفہوم کا پتہ لگاؤ اور اگر ایک گناہ کی سزا ہمیشہ کا جہنم ہے تو مسیح جس نے کل عیسائی دنیا کے گناہ اپنی پیٹھ پر اٹھائے اس کی سزا کا اندازہ لگاؤ۔ ورنہ خدا باپ کا عدل کہاں پورا ہوا۔ حقیقی عدل یہی ہے کہ مجرم کو جرم کی حیثیت کے مطابق سزا دی جاوے نہ مجرم کی حیثیت کے مطابق۔ اب اپنے وسوسہ کا جواب سنو آیت زیر بحث میں حرف ثمّ ترتیب کے لئے نہیں اور آیت میں خطاب کافروں سے ہے کہ جن کا ذکر شروع رکوع سے چلا آتا ہے پس اس بنا پر آیت کے ترجمہ کو یوں سمجھو کہ "اے کافرو تم میں سے ہر ایک جہنم میں داخل ہوگا یہ بات تیرے پروردگار پر لازم ہوگئی ہے اور متقیوں کو ہم نجات دیں گے۔ اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے"۔ البتہ انجیل میں یہ ضرور لکھا ہے کہ "ہر ایک شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا۔ مرقس ۹/۴۹۔

تیسری آیت جو آپ کی ٹھوکر کا باعث ہوئی ہے وہ ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذٰلک

خلقهم وتمت کلمة ربك لاملئن جہنم من الجنة والناس اجمعین ۔
(سورہ ہود - ۱۲۰) پادری صاحب اس آیت سے تقلید آریہ معترضین کل
انسانوں اور جنوں کے جہنم میں بھرے جانے کا مطلب پیدا کرتے ہیں ۔
آیت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر تیرا رب چاہتا تو لوگوں کو مجبور
بنا کر ایک ہی جماعت بنا دیتا (لیکن اس نے سب کو موروثی طور پر یا فطرتاً گنہگار
پیدا کر کے مجبور نہیں کیا) بلکہ اختلاف کرنے والے یعنی مختار بنایا ہے اس لئے وہ
اختلاف کرتے رہیں گے (یہ اس کا علم ہے) البتہ رحم کا دخل دیا ہے۔ (گناہ کا
نہیں) اور رحم کرنے کے لئے ہی ان کو پیدا کیا ہے۔ (لیکن اکثر لوگ رحم کو جذب
کرنے والے نہیں بنتے) اس لئے ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی یہ بات
(" تو ربك لنحشرنهم والشيطين لنحضرنهم حول جہنم جثیا" کہ بدکاروں
کا ٹھکانا جہنم ہے) پوری ہوئی (کہ آخر کار میں ایسے شیطانوں اور انسانوں سب
سے ضرور جہنم بھروں گا۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا وما کان ربك
لیهلك القرىٰ بظلم واهلها مصلحون ۔ اصلاح کرنیوالوں کو ظلم سے
ہلاک کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت بعید ہے پس ظالم ہی جہنم میں
بھرے جائیں گے نہ مصلح ۔ وبشر الذين امنوا وعملوا الصالحات ان لهم
جنٰت تجری سے سارا قرآن شریف بھرا پڑا ہے آپ اس کے خلاف سب
کو جہنم میں دھکیلنے کا مفہوم کسی آیت سے کیونکر پیدا کر سکتے ہیں۔ البتہ بائبل
میں بڑے دن اور جہنم کے لئے پیدا کرنے کا ذکر ضرور ہے "خدا نے سب کو
بے ایمانی کی قید میں چھوڑا ہے" جب کل نسل انسانی کو فطرتاً یا وراثتاً گنہگار بنایا

ہے اور گناہ کی سزا ابدی جہنم ہے تو یقیناً جہنم کے لئے ہی سب کو بنایا ہے
سنئے بائبل کیا کہتی ہے :۔

اے آدمی تو کون ہے جو خدا سے تکرار کرتا ہے کیا کاریگری کاریگر کو کہہ سکتی ہے کہ تو نے مجھے کیوں ایسا بنایا۔ کیا کمہار کا مٹی پر اختیار نہیں کہ وہ ایک ہی لوندے میں سے ایک برتن عزت کا اور دوسرا بے عزتی کا بنائے ۔ رومیوں ۹ - ۲۰ - ۲۱

بعض احادیث آپ نے اس مطلب کی پیش کی ہیں کہ نجات ایمان سے ہے اعمال سے نہیں۔ ان کے جواب میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایمان میں اعمال داخل ہیں اور اعمال سے ہی ایمان زندہ ہوتا ہے اور بغیر اعمال صالحہ وہ مردہ ہوتا ہے۔ چور اور زانی کی نجات کا مطلب سمجھنے میں بھی آپ نے غلطی کھائی ہے۔ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اسلام لانے سے پیشتر جہالت سے یہ کام کرتا رہا ہو تو اسلام لانے سے وہ گناہ دور ہو جاتے ہیں یا جب بھی سچی توبہ کرے اس میں حالت صحت پیدا ہو سکتی ہے۔ باقی رہا نجات کا خاتمہ پر موقوف ہونا یہ بھی سچ ہے کہ ایک شخص نیکیاں کرتا جاتا ہے لیکن ایک ہی بڑا گناہ اس کو جہنمی بنا دیتا ہے جیسا ایک قوی اور تندرست آدمی زہر کھا کر ہلاک ہو سکتا ہے۔

ایک عنوان آپ نے یہ قائم کیا ہے کہ اعمال سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نجات نہیں پا سکتے۔ یہ بھی کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں اور اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے بغیر ہمارے اعمال کوئی چیز نہیں اعمال

صالحہ تو اس رحمتِ الٰہی کو جس کو جنت کہتے ہیں جذب کرنے والے ہیں۔ اعمال ہمارے خدا نہیں کہ ہمیں نجات دیں۔ نجات دینے والا بہر حال خدا ہے۔

ایک آخری بات جو آپ کی ٹھوکر کا باعث ہوئی ہے وہ یہ ہے "کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کو نہیں بچا سکتے۔ یہاں تک کہ اپنے قرابتداروں اور اپنی بیٹی فاطمہ کو بھی نہیں بچا سکتے"۔ بلاشبہ اسلام کا خدا اس قسم کی جنبہ داری اور تعصب سے بہت بلند ہے کہ وہ مجرموں اور گنہگاروں کو کسی کی قرابت کی وجہ سے چھوڑ دے۔ ہر شخص کے اندر جنت میں جانے کی قابلیت ہونی چاہئے۔ جو اس اہلیت کو ضائع کر دیتے ہیں وہ نعماء جنت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جیسے بیمار اچھی اچھی مقوی غذاؤں سے اکثر نقصان اٹھاتا ہے۔ اس سے شفاعت کے قبول نہ ہونے کا نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ ہمارے ہاں شفاعت باذن اللہ ہے۔ اپنے طور پر کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا۔ البتہ انجیل کی جس آیت متی $\frac{11}{28}$ پر آپ کو اور عیسائی دنیا کو ناز ہے اس کا مقابلہ قرآن کے ساتھ کر کے دیکھ لو۔

متی $\frac{11}{28}$

"اے تم جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہوئے ہو میرے
پاس آؤ کہ میں تمہیں آرام دوں گا"

قرآن کریم سورہ اعراف آیت ۱۵۷

يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات

ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم اصرهم والاغلال التى

كانت عليهم فالذين آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور

الذى انزل معه اولٰئك هم المفلحون۔

(ترجمہ) یہ نبی اُمی لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتا ہے بُری باتوں سے روکتا ہے صاف اور پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ دور کرتا ہے وہ طوق اور زنجیریں اتارتا ہے جو ان پر تھیں ۔سو جو لوگ اس پر ایمان لائیں اس کی تنظیم کریں اور اس کو مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُتارا گیا ہے وہی نجات یافتہ اور کامیاب ہوں گے۔

متی کی آیت اور قرآن کریم کی بینہ پر واقعات کی روشنی میں غور کرو کہ دنیا کو دکھوں اور گناہوں سے پاک کر کے کس نے نجات دلوائی۔گناہوں سے درماندہ اور بدیوں کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگوں کو کس نے آرام دیا۔ وہاں تو لے دیکر ۱۲ حواری تھے کہ جن کو ان کے ایمان کی کمی کی وجہ سے عمر بھر ان کے استاد کی طرف سے اکثر بے ایمانی کا خطاب ملا۔ رائی کے دانہ کے برابر بھی ان کے ایمان کا وزن نہ اتر سکا اور آخر کار سب کے سب یکبارگی اپنے ایمان میں ٹھوکر کھا گئے۔ دوسری طرف محمدؐ اور اس کے صحابہؓ تھے کہ جن کو نہ کسی نے ۳۲ روپیہ پر بیچا نہ کسی نے انکار کیا اور اس کی اسی کامیابی کے باعث انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں صاف لکھا ہے:۔

The most Successful of all the Prophets and religious personalities

"محمدؐ دنیا کے تمام انبیا اور مذہبی شخصیتوں سے بڑھ کر کامیاب ترین شخص تھا" یہ ہے وہ حق کی گواہی کہ جو دنیا کی سب سے اعلیٰ کتاب نے دی کہ جس کو یوروپ کے اعلیٰ سے اعلیٰ دماغوں کا نچوڑ کہنا چاہیئے۔ واقعات زمانہ پر دنیا کی اس اعلیٰ ترین تاریخی شہادت کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے ایک دفعہ پھر مسیحی اور قرآن کریم کی آیات پر غور کرو کہ فی الحقیقت گناہوں سے درماندہ اور بدیوں کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگوں کو آرام کس نے دیا؟

یہ ہیں پادری پال صاحب کی دونوں کتابیں اور ان کے نقلی دلائل کہ جن پر آپ کو اور عیسائیوں کو بڑا ناز تھا اور جن کے پیش کرنے پر وہ پھولے نہیں سماتے تھے ہاں آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ "ہم نے تو صرف دو تین حدیثوں پر اکتفا کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو بکثرت ایسی احادیث پیش کریں گے۔ جن کو پڑھ کر ناظرین وجد کریں گے" جس کے جواب میں ہم یہی کہتے ہیں کہ قرآن کریم سے تو آپ ہرگز فطرۃ انسانی کو بد نہیں ثابت کر سکتے اور نہ کبھی اس طرف آئیں گے تاہم آپ اس سلسلہ کو ضرور ہی جاری رکھئے اور احادیث کو دل کھول کر پیش کیجئے مگر یہ یاد رکھئے کہ آپ خود اور عیسائی حضرات اس پر وجد کریں۔ بغلیں بجائیں یا سر دھنیں مگر علم و عقل کی روشنی میں فطرۃ انسانی کو بد کبھی بھی ثابت نہ کر سکیں گے اس لئے کہ میں جانتا ہوں۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے : وہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

بائیبل کی آدم کہانی علم و عقل کی روشنی میں

"خداوند نے کہا آؤ ہم انسان کو اپنی صورت پر اور اپنی مانند بنائیں پس اس نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ نر اور ناری ان کو پیدا کیا۔ ان کو برکت دی۔ اور کہا پھلو، بڑھو، زمین کو معمور کرو اور اس کو محکوم کرو۔ سمندر کی مچھلیوں پر آسمان کے پرندوں پر اور سب چرندوں پر جو زمین پر چلتے ہیں حکومت کرو پھر عدن کے مشرق کی جانب جیحوں اور سیحوں اور دجلہ و فرات کی گوہر آفریں اور جنت نشان وادیوں میں ایک باغ لگایا جس کے اندر ہر ایک درخت جو دیکھنے میں خوش نما اور کھانے میں خوب تھا اُگایا اور نیک و بد کی پہچان کے درخت کو زمین سے پیدا کیا۔ آدم اور حوا کو اس باغ میں رکھا اور آدم کو حکم دیکر کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا ...... اور سانپ میدان کے سب جانداروں سے جنہیں خداوند نے بنایا تھا ہوشیار تھا۔ اور اس نے عورت سے کہا کیا یہ سچ ہے کہ خدا نے کہا کہ باغ کے ہر درخت سے نہ کھانا۔ عورت نے سانپ سے کہا کہ باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں مگر

اس درخت کے پھل کو جو باغ کے بیچوں بیچ ہے خدا نے کہا کہ تم اس سے نہ کھانا اور نہ اسے چھونا۔ ایسا نہ ہو کہ تم مرجاؤ۔ تب سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مروگے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن اسے کھاؤگے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کے مانند نیک و بد کے جاننے والے ہوجاؤگے۔" (خلاصہ مضمون پیدائش باب ۲-۱)

یہ وہ قصہ ہے کہ جس کی بنا پر یہوواہ نسل انسانی کی عالمگیر فرضی عمارت تعمیر کی جاتی ہے لیکن اس پر ذرا علم وعقل کی روشنی میں غور کرو۔

۱۔ خداوند نے انسان کو اپنی صورت پر اور اپنی مانند پیدا کیا۔ کیا خدا میں نیک و بد کی تمیز تھی یا نہیں۔ اگر تھی تو آدم اپنی پیدائش سے خدا کی مانند نہ ہوا۔ کیونکہ اس میں تمیز درخت کا پھل کھانے کے بعد پیدا ہوئی۔ اگر خدا میں تمیز نہیں تھی تو بعد میں کس طرح پیدا ہوئی؟

۲۔ خدا نے انسان کو کائنات پر حکمران مقرر کیا۔ کیا کوئی حکومت دنیا میں نیک و بد کی تمیز کے بغیر قائم ہوسکتی ہے یا ایک دن کے لئے بھی ٹھہر سکتی ہے؟

۳۔ خدا نے نیکی اور بدی کی تمیز کا درخت اگر آدم کے فائدہ کے لئے پیدا نہیں کیا تھا تو کیا اپنے لئے پیدا کیا تھا؟ ورنہ اس کی پیدائش کی اور تیسری غرض کیا تھی؟

۴۔ اگر نیک و بد کی تمیز کا درخت اپنے لئے پیدا کیا تھا تو اس درخت کی پیدائش سے پہلے خدا میں خود نیکی و بدی کی تمیز تھی یا نہیں؟

۵۔ باغ عدن کے تمام درختوں میں سے اچھے اور برے درخت کی پہچان آدم

اور حوا کو کیونکر حاصل ہوئی؟ جبکہ انہوں نے نیکی اور بدی کی پہچان کے درخت کو ابھی چھوا تک نہ تھا۔

۶۔ اچھے اور برے درختوں کی پہچان کراتے وقت کیا خود خدا نے اُن کو تمیز کے درخت سے پھل نہیں کھلایا؟ ورنہ اچھے اور برے درخت کی شناخت ان کو کیونکر حاصل ہوئی؟

۷۔ شیطان کو نیکی اور بدی کی تمیز کہاں سے حاصل ہوئی؟ آیا اس کو کسی اور ہستی نے درخت کا پھل کھلوا دیا تھا۔ کہ اس نے معہود ذہنی والا درخت اس کو بتلا دیا۔

۸۔ شیطان کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا کہ آدم اور حوا کو فلاں درخت سے منع کیا گیا ہے۔ کہیں وہ عالم الغیب تو نہیں یا آدم کو حکم ملتے وقت وہ بھی جنت میں ہی موجود تھا۔

۹۔ بائیبل میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ اس سے پیشتر خدا نے آدم و حوا کو خبردار کر دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے دھوکے میں نہ آنا تاکہ وہ اس کی بابت ہوشیار رہتے۔

۱۰۔ اگر پیشتر سے انہیں اطلاع بھی ہوتی تو خدا اور شیطان میں وہ تمیز کیسے کر سکتے تھے کیونکہ نیکی اور بدی کی تمیز کا درخت تو انہوں نے ابھی چھوا تک نہ تھا (خدا عین نیکی ہے اور شیطان از سر تا پا بدی)

غرض یہ اور اس قسم کی بیسیوں باتیں تھیں کہ جو آدم اور حوا کے دل میں آسکتی تھیں اور یقیناً آئی ہوں گی۔ بہر حال حوا کہ جس پر فریب کھانے کا الزام

دکھایا جاتا ہے۔ اس نے یہ خیال کیا کہ ہمیں ضرور یہ پھل کھانا چاہیئے۔ علاوہ ازیں جہاں تک اس نے اس سوال کو عقل و فکر کے سامنے پیش کیا۔ اسے یہی بہتر معلوم ہوا۔ وہ سوچنے لگی کیا علم کے درخت کا پھل کھانا کوئی بدی ہو سکتی ہے؟ کیا خدا کی منشا ہم کو بے علم اور جاہل رکھنے کی ہے۔ خدا کے متعلق تو ہمیں ایسا خیال کرنا بھی گناہ ہے۔ تو پھر کیا یہ گناہ ہے کہ ہم میں نیک و بد کی تمیز ہو جائے کیونکہ آخر خدا ہی تو کہتا ہے کہ اس درخت کے پھل کھانے سے کھانے والا بدی اور بھلائی میں تمیز کرے گا۔ اور اگر بدی سے بچنا ہی ضرور ہے تو پھر از بس ضروری ہے کہ میں یہ پھل کھا لوں۔ جب بدی اور بھلائی میں تمیز ہی نہ ہو گی تو ہم بدی سے کیسے بچ سکیں گے۔ علاوہ ازیں حوّا نے سوچا کہ بھلا ہمارے جاہل اور بے علم رہنے سے خدا کے جلال میں کیا ازدیاد ہو گا۔ بلکہ جس قدر علم و معرفت بڑھے گا اسی قدر مجھ میں حمد و شکرگزاری کرنے کا احساس زیادہ ہو گا۔ کیا خدا نے مجھے علم و دانائی حاصل کرنے کے قویٰ نہیں بخشے اور اگر اس نے یہ قوتیں انسان کو دی ہیں تو پھر یہ قوتیں نشو و نما پانی چاہئیں۔ غرض جناب حوّا نے بہت ہی سر مارا۔ ہر چند سوچا اور غور کیا ان کی عقل میں کوئی بھی معقول بات نہ آئی کہ کیوں خدا کی طرف سے ممانعت ہو سکتی ہے کہ درخت علم کا پھل نہ کھایا جائے یہ بات انہیں لاینحل بھید ہی نظر آئی۔ پادری صاحبان خود سوچیں یہ تو کوئی بھید ہی تھا جو نہ ہماری سمجھ میں آتا ہے نہ حوا کی سمجھ میں آیا نہ کسی اور انسان کی سمجھ میں آیا اور نہ آئے گا۔ جس درخت کی بابت یہ لکھا ہے کہ اس کو کھا کر انسان عقلمند ہوتا ہے۔ اس کے متعلق یہ گمان کرنا کہ خدا اس کے کھانے

جانے سے منع کرے گا یہ تو حکیم و علیم خدا کی شان کے خلاف ہے۔ جنت کے باغ میں بھلا اس سے بڑھ کر دیکھنے میں خوبصورت۔ کھانے میں نہایت لذیذ اور کونسا درخت ہوگا۔ حوّا کے ذہن میں یہ ساری باتیں یکے بعد دیگرے آئیں اور آخر اس درخت کے پھل کو کھا ہی لیا۔ پھر کیا تھا۔ بدی اور نیکی کے درمیان تمیز کرنے کی قوت اس میں پیدا ہو گئی۔ کیا راحت بخش تبدیلی تھی جو اس میں پیدا ہوئی۔ یہ تو ایک نایاب عطیہ الٰہی تھا۔ جو قسمت کی خوبی اور نصیب کی رسائی سے اچانک اس کو حاصل ہو گیا۔ اس نے خوشی کے جوش میں آ کر اس پھل کو لیا اور آدم کو دے دیا۔ آدم نے جب عورت کے اندر اسقدر تبدیلی دیکھی تو اس نے بھی خوش ہو کر پھل کھایا۔ پھل کھانا تھا کہ آدم بھی نیک و بد کی تمیز میں خدا کی مانند ہو گیا۔ یہ ارتقاء نسل انسانی کی انتہا تھی جو آدم کو اس درخت کا پھل کھانے سے حاصل ہوئی۔ نظام عالم میں ایک اور دانشمند و حکیم خدا کا اضافہ ہوا تین سے چار ہو گئے۔ دو میں تیسرا آنکھوں میں ٹھیکرا تو لوگ کہا ہی کرتے ہیں مگر تین خداؤں (باپ۔ بیٹا اور روح القدس) کے ساتھ چوتھے کا اضافہ کچھ ایسا منحوس اضافہ نہ تھا مگر اس کو کیا کیجیے کہ وہ خدا بڑا حاسد خدا تھا (خروج باب ۲۰) اسے یہ کب گوارا تھا کہ زمین کے اوپر یا آسمان کے نیچے کوئی دوسرا خدا بھی ہو جائے۔ اور سب سے بڑی فکر کی بات یہ تھی کہ اس باغ میں ایک حیات اور دائمی زندگی کا درخت بھی تھا۔ اغلب تھا کہ آدم اس پر بھی ہاتھ چلائے اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کر کے بالکل ہی واجب الوجود اور قادر مطلق بن بیٹھے اس نے کہا "اب ایسا نہ ہو کہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے

بھی کچھ لیوے اور کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے"۔ پیدائش ۲۲/۳) چار و ناچار خداوند
خدا کے ہاں اس ہر دقت کی خلش کا ایک ہی علاج تھا کہ وہ آدم اور حوّا کو
باغ عدن سے باہر کر دے مگر آدم جو علم و حکمت کے درخت سے لذت آشنا
ہو چکا تھا اور اس راز کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا ؎

بے علم چوں شمع باید گداخت۔ کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

کہ خدا اور اس کی خدائی کا راز صرف نیک و بد کی تمیز اور علم ہی سے حاصل ہو سکتا ہے
بہت ممکن تھا کہ آدم اس شمع علم پر قربان ہونے کے لئے تدبیر کے پروں سے
پرواز کرتا اور باغ عدن میں دوبارہ پہنچ جاتا۔ خداوند خدا کو اس پر کھٹکا پیدا ہوا۔
اور سچا کھٹکا پیدا ہوا کہ کہیں آدم درخت حیات کو بھی چٹ نہ کر جائے اس لئے باغ سے
آدم کو باہر کر کے چاروں طرف فرشتوں کی برہنہ تلوار کا پہرا لگا دیا (پیدائش ۲۴/۳)
بائیبل کی اس آدم کہانی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند خدا کے
کام شروع ہی سے بے سوچے سمجھے ہوتے رہے ہیں۔ اگر آدم کے لئے تمیز
کے درخت سے پھل کھانا ناجائز تھا تو باغ عدن میں اس کو پیدا ہی کیوں کیا
اگر یہ غلطی ہوگئی تھی تو کم از کم اس کو ایسا خوبصورت اور کھانے میں خوش ذائقہ
نہ بناتا تاکہ آدم چکھ کر پھینک دیتا۔ اس فروگذاشت پر بھی آدم کو خفیہ طور
پر اس سے اطلاع دیکر شیطان کو یہ راز نہ بتلایا ہوتا تو بھی آدم بچ جاتا۔ اس
پے در پے سہو و نسیان پر بھی جو تدبیر بعد میں درخت حیات پر پہرہ لگانے کی
سوجھی وہ پہلے ہی سے کیوں اختیار نہ کر لی۔ انجام کار بھی خدا نے جو کہا تھا کہ
"جس دن تم اسے کھاؤ گے تم ضرور مرو گے"۔ (پیدائش ۱۷/۲) سچ ثابت نہ ہوا بلکہ

سانپ نے بہکاتے وقت جو کہا تھا کہ تمہیں اس درخت کے پھل سے نیک و بد کی تمیز حاصل ہو گی وہی ہؤا۔ ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہے کہ خداوند خدا کو آدم کے ساتھ رقابت کا کوئی خاص حسد تھا جس کی وجہ سے اس کے ساتھ قدم قدم پہ یہ گمراہ کن رویّہ اختیار کیا گیا۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آدم کو اس درخت کا پھل کھانے سے ہرگز ہبوط نہیں ہؤا اور نہ کوئی تکلیف ہوئی ننگے ہونے سے شرم آنا کوئی سزا اور بُری بات نہیں۔ ننگے تو وہ پہلے بھی تھے مگر پھل کھانے سے اپنے ننگ پر شرمانے لگے یا ستر پوشی کا خیال پیدا ہؤا کیا یہ کوئی بُری بات ہے؟ بلکہ اس کو ارتقار کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ حاصل ہؤا کہ وہ خدا کی مانند ہو گیا۔

غرض کتاب پیدائش کی رو سے جہاں تک غور کیا جائے آدم اور حوّا کا نوعیت فعل کے لحاظ سے تو کوئی گناہ ثابت ہی نہیں ہوتا اور بلحاظ اس اثر کے جو اس فعل پہ مترتب ہؤا ان کو کوئی سزا بھی نہیں ملی۔ بلکہ اس کا نور معرفت خدا کی مانند اور چمک اٹھا (پیدائش ۳ ۲۲) اور یہی ان کا اعلیٰ سے اعلیٰ ارتقار تھا جس پر ان کو پہنچنا چاہئیے تھا۔ اب رہا یہ امر کہ حوّا کو یہ کہا گیا کہ وہ زیادہ درد سے بچّہ جنے اور آدم کو یہ کہ وہ پیشانی کے پسینہ سے روٹی کمائے (پیدائش ۳ ۱۶) اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی سزا نہ تھی۔ عیسائی الٰہیات میں گناہ خدا سے بغاوت کا نام ہے اور اس کی سزا کے لئے ابدی جہنم موجود ہے۔ آدم اور حوّا کے متعلق یہ کہیں نہیں لکھا کہ وہ بھی سانپ کی طرح ملعون ہو کر (نعوذ باللہ) ابدی جہنم کے حقدار ہو گئے۔ عورت کا درد سے یا زیادہ درد سے بچّہ جننا جہاں تک اس پر غور کیا جاتا ہے

جنا یہ جو اہی پر کیا منحصر ہے سطح ارض کے تمام حیوانات ایک ہی طریق پر بچے جنتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جس صنف کے احساسات زیادہ نازک ہوں۔ وہ زیادہ دکھ محسوس کرتی ہے۔ جانوروں کی نسبت انسانی احساسات زیادہ نازک ہوتے ہیں اور عورتوں میں بھی وہ عورتیں جن کے اندر کیفیت احساسی کچھ زیادہ نازک نہیں ہوتی جیسے دیہات وغیرہ کی جفاکش عورتیں وہ شہروں کی صنف نازک کی نسبت بہت کم تکلیف اٹھاتی ہیں۔ بہر حال یہ کوئی سزا نہیں اور نہ درخت کے پھل کھانے کے ساتھ اس کو کوئی تعلق ہے اس کی بنیاد صرف علم و عقل اور شعور کی کیفیات وقوفی اور احساسی پر ہے۔

رہا آدم کا پسینہ سے روٹی کمانا یہ بھی کوئی سزا نہیں بلکہ ارتقا نسل انسانی کی تمام منزلوں کا رشتہ اسی کے ساتھ وابستہ ہے اچھی روٹی کمانے کے لئے شدید جد وجہد کی ضرورت ہے اور اسی تگ و دو کا نتیجہ تمام وہ کمالات ہیں جو انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور اسی سے تہذیب تمدن کا رفیع الشان قصر تعمیر ہوتا ہے پادری صاحب اس کو سزا کہیں تو کہیں ہم تو اسی کی بدولت فضاء عالم کو انسانی قوائے اور استعدادوں کے ظہور سے منور اور اسی کی تابش جمال سے معمور دیکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم اور بائیبل دونوں نے انسان کی اس حالت کو دکھ مشقت (فتشقیٰ) اور فقدان عیش (فغویٰ) سے تعبیر کیا ہے اور حدیث میں ثم لا زال العیش الا کدا " کہا گیا ہے۔ پس اس بنا پر یہ حالت پہلی بہشتی حالت کی نسبت دکھ کی حالت ضرور ہے۔ تاہم یہ سزا نہیں اس لئے کہ ہر سزا دکھ ضرور ہے لیکن ہر دکھ سزا نہیں بلکہ ترقی اور حصول کمال کے لئے بھی دکھ سہنا پڑتا ہے اور

مزا بھی اسی راحت میں ہے جو دکھ کے بعد میسر ہو وہ دکھ جس پر رحمت الٰہی کی بارش کا انحصار ہو. انسان کی خفیہ استعدادیں اس سے بیدار ہوں اور فطرت بشریہ کا غنچہ قابلیت چٹخ کر زہت آگیں ہو- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ الوہیت کے انوار اس پر پرتو فگن ہوں -اس پر عیش وعشرت کی ہزاروں جنتیں قربان ہوں کہ جن کے اندر دل کی کلی تبسم آشنا نہ ہو کم سنی اور بچپن کا زمانہ اگرچہ عیش وآرام کا زمانہ اور ذمہ داریوں کے بار گراں سے ہر طرح سبکدوش ہوتا ہے- اور عالم شباب ایک مصائب اور سرگرانیوں کا کوہ گراں سر پر لاتا ہے تاہم عنفوان شباب حسن وجمال کے کمال اور قویٰ کے ارتقاء کا زمانہ ہے سچ ہے ؎

حسن کی آرائشوں میں کم سنی نہی کٹ گئی، اُف وہ ہلکا سا تبسم اور جواں ہونیکے بعد

پس آدم اور حوا کی زندگی جب تک دایہ فطرت کی گود میں رہی آرام اور عیش کی جنت تھی لیکن عنفوان شباب کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اپنے اندر حسن کا کمال پیدا کرے اس لئے وہ اپنے لئے بہتری کی تجاویز سوچ کر اگرچہ دکھ میں پڑا لیکن اسی دکھ کا نتیجہ وہ جنت ہے جس میں سے اس کا کبھی اخراج نہ ہوگا۔

عصمتِ فطرت

صحیفہ کائنات کے اوراق نقاشِ ازل کی خیال آفرینیوں سے رنگین ہو چکے تھے۔ اور مصورِ حقیقی کے صورِ علمیہ صفحہ دہر پر مترنم تھے۔ بزمِ ہستی کی اس آرائش میں خداوند عالم کو ایک عرصہ تک انہماک رہا لیکن اس اثناء میں وہ دن کہ جس دن انسان کی فطرت کا خمیر گوندھا گیا۔ وہ اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے ایک عظیم الشان دن تھا۔ کائنات عالم مضطرب تھی اور ضرورت تھی اس بات کی کہ اس معمہ موجودات کی کوئی کلید پیدا ہو جو اس رازِ سربستہ کی گرہ کشائی کرے چنانچہ خداوند عالم نے ریاض جنت کی خوشبو، وادیٔ عدن کے ہر نخل کی روح اور کوثر و تسنیم کے پانی سے لطافت لیکر پیکرِ انسانی کا مجسمہ تیار کیا۔ عالم کبیر کے ہر نوع مخلوقات کی روح اس کے اندر کھنچکر آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات عالم کے لئے اس کا وجود بمنزلہ ایک نقطہ ومرکز کے تھا کہ جس کے اندر کل موجودات خارجی کے کمالات منتہی ہوتے تھے۔ وجودِ انسانی کا یہ نورانی پیکر کچھ ایسا دلربا تیار ہوا کہ خود صانعِ حقیقی نے بھی اپنے ہاتھ چوم چوم لئے۔ ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ثم انشأناہ خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین اس صنعتِ کبریائی کی رعنائی اس قدر دلکش تھی کہ خداوند عالم نے صحیفہ دہر کی کل حسین و جمیل اور مقتدر ہستیاں اس ظلِ الٰہی کے قدموں پر سجدہ اطاعت میں ڈال دیں ولقد خلقناکم ثم صورناکم ثم قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون۔

فاطر فطرت نے اشاروں اور کنایوں سے اس کو یہ بھی تبلادیا کہ وہ صانع حقیقی کی بہترین صنعت ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ اس گراں مایہ عطیۂ الٰہی پر سجدہ شکر بجالاتا رہے اور حسن و خوبی کا وہ نیچرل باغ جو اس کی فطرت کے سپرد کیا گیا ہے اعمال صالحہ کی نہروں سے اس کی آبیاری کرتا رہے اور نخل ایمانی یا شجرہ طیبہ کی کسی کونپل کو دبانے کی کوشش نہ کرے۔ زمانہ کی ایک لمبی دوڑ میں انسان نے بہت حد تک اس عہد وفا کو پورا کیا اور ابتدا سے لیکر اس وقت تک بیشمار صدیوں میں اس نے اپنی عزم و ہمت اور استقلال اور خدا کے ساتھ کامل وفا کے لاجواب نمونے پیش کئے۔ ان کے اندر آدم تھا جو نیکی اور بدی کی شناخت میں خدا کی مانند ہوا (پیدائش ۳/۲۲) نوح تھا کہ جو اپنی قرنوں میں صادق الوعد تھا (پیدائش ۶/۹ دیکھو)۔ ابراہیم تھا کہ جس نے خدا کی آواز کو سنا اس کے حکموں، تاکید قانون اور شرعوں کو حفظ کیا، (پیدائش ۲۶/۵) یہاں تک کہ وہ خداوند عالم صدیوں تک خدا ابراہیم کے نام سے اپنے آپ کو ظاہر کرتا رہا۔ پھر داؤد تھا کہ جس نے خدا کے سارے حکموں کو حفظ کیا اور ان کی دل سے پیروی کی (۱سلاطین ۱۴/۸) یسعیا اور حزقیا نبی تھے کہ جنہوں نے اپنی خوبی عصمت کا خود دعویٰ کیا (یسعیاہ ۵/۳۸ و ۱سلاطین ۲/۳) اور ایک روح حق و صداقت بھی تھی کہ جس کی نسبت خود خدا نے یقین اور وثوق سے موثق الفاظ میں فرمایا واللہ یعصمک من الناس یقیناً اللہ تجھے لوگوں میں سے معصوم رکھے گا یہ منعم علیہ گروہ تھا طائفہ حزب اللہ تھا۔ اولیاء اللہ تھے۔ خیر البریہ اور اصحاب الجنۃ تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مسلم تھے جنہوں نے فطرت کی اس پاکیزگی اور لطافت

کو قائم اور سلامت رکھا۔ ان کی فطرت اسلام تھی اور اس اسلام کو انہوں نے قائم رکھا۔ نوح نے امرت ان اکون من المسلمین کہا۔ ابراہیم خود اسلمت لرب العالمین پکار اٹھا اور اپنے بیٹوں کو اسی کی وصیت کی فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ یوسف کی دعا تھی توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ موسیٰ کی ندا تھی فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین۔ حواریوں نے شہادت دی واشھد بانا مسلمون قرآن کریم نے اسی لئے فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام۔ خدا کے نزدیک دین تو اسلام ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم نوح کو دیا گیا اور جس کی وحی اے محمد تجھ پر کی گئی۔ جس کا حکم ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو ملا کہ تم اس دین کو قائم رکھو۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا ذالک الدین القیمہ۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے۔ جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں اور یہی قائم رکھنے والا دین ہے۔ افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات وما فی الارض طوعاً وکرھا۔ کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ ساکنان آسمان اور زمین خوشی سے یا ناخوشی سے اسی کے فرمانبردار ہیں۔ یہ ہے فطرت انسانی کی عصمت اور فطرۃ اللہ کا مذہب۔ اسی پر چل کر بنی نوع انسان کی نجات اور سرخروئی ہے کہ جو تمام انبیا صلحا اور اولیا اللہ کا دین ہے نہ کہ پال اور پولوسی مسیحیت کا مذہب واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین +